جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

لِیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ
القرآن الحکیم ۶۵:۱۲

النور

صلح ۱۳۸۶ ہش
جنوری ۲۰۰۷ء

بیت النصر۔ ولنگ برو۔ نیوجرسی

بیت النصر ۔ ولنگ برو ۔ نیوجرسی

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُھُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ (2:18)

النـــــور

جنوری 2007

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

فہرس

نگران اعلیٰ: ڈاکٹر احسان اللہ ظفر
امیر جماعت احمدیہ، یو۔ایس۔اے

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر نصیر احمد

مدیر: ڈاکٹر کریم اللہ زیروی

ادارتی مشیر: محمد ظفر اللہ ہنجرا

معاون: حسنیٰ مقبول احمد

لکھنے کا پتہ:
Editors Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905
karimzirvi@yahoo.com

وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۟ کُلُّ شَیۡءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجۡھَہٗ ؕ لَہُ الۡحُکۡمُ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ۝ (القصص:89)

اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار۔ کوئی معبود نہیں مگر وہ۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اُس کے جلوے کے۔ اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤگے۔ (700 احکامِ خُداوندی صفحہ 45)

قرآن کریم

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ O فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ O فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ O اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ O

(الحجر:29-32)

اور (یادکر) جب تیرے ربّ نے فرشتوں سے کہا کہ میں گلے سڑے کیچڑ سے بنی ہوئی خشک کھنکتی ہوئی ٹھیکریوں سے بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کرلوں اوراس میں اپنا کلام پھونکوں تو اس کی اطاعت میں سجدہ ریز ہو جانا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کردیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو۔

اس آیت میں ابتداءِ نسل انسانی میں جو مکمل وجود پیدا ہوا تھا اس کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے کہ دیکھو اسے بھی الہام ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کو لگا دیا۔ پس یہ سلسلہ الہام اور اس کی حفاظت کا ابتداء عالم سے چل رہا ہے۔ اس آیت میں ملائکہ کو سجدہ یعنی آدم کی فرمانبرداری کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے مراد سب مخلوق ہے کیونکہ تمام اسباب کی علت اولیٰ ملائکہ ہی ہیں۔ کہ اس دنیا میں آدم کو قدرت دی گئی ہے اور سب مخلوق اس کے تابع کی گئی ہے۔ پس فرشتوں کو جو علّتِ اولیٰ ہیں، چاہیئے کہ انسان جو کام کرے اس کے مطابق نتائج نکالتے جائیں۔ گویا قانونِ قدرت کے ماتحت ہر انسانی فعل کا خواہ وہ برا ہی ہو نتیجہ نکالنے کا فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے۔ اور اس حصہ میں سب انسانوں کے انہیں تابع کیا گیا ہے۔ یہ تو عام قانون ہے لیکن جب انبیاء کے زمانہ میں تقدیر خاص جاری ہوتی ہے۔ تو فرشتوں کا یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے آدم یعنی نبی وقت کی تائید کریں اور اس کے دشمنوں کو ناکام بنائیں۔

تورات اور ہندو لٹریچر میں بھی خیر اور شرّ کی قوتوں کا ذکر مکالمہ کی صورت میں کیا گیا ہے ہندوؤں میں ہریش چندر کا مشہور قصّہ ہے اس میں بھی مکالمہ کی صورت میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ تورات میں بھی خیر اور شرّ کی قوتوں کا مقابلہ مکالمہ کی صورت میں ایوب کی کتاب میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے اللہ تعالیٰ کے دربار میں فرشتے اور شیطان حاضر ہوئے اور ایوب کی نیکی کا ذکر چل پڑا۔ شیطان نے کہا کہ ایوب اس لئے نیک ہے کہ اسے سب کچھ ملا ہوا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایوب کی آزمائش کرنے کی اسے اجازت دی۔ وغیرہ وغیرہ (ایوب باب 1 آیت 6 تا 12) یہی وجہ ہے کہ

تورات والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ آپؐ کے کلام میں تمثیلیں کم تھیں اور واضح عبارتوں میں مضمون بیان ہوئے تھے۔ وہ غلطی سے اپنی کتب میں بیان شدہ مضامین کو حقیقت سمجھ رہے تھے۔ جب اسلام نے اللہ تعالیٰ کی صفات اور ملائکہ کے وجود اور وحی اور نبوت کو صاف اور واضح عبارت میں بیان کیا تو وہ حیران ہوگئے اور سمجھے کہ یہ باتیں تورات کے خلاف ہیں اور سچائی سے دُور ہیں۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ باوجود اس کے کہ قرآن کریم نے اس موقعہ پر تصویری زبان کو استعمال کیا ہے پھر بھی اس نے بہت سی غلط فہمیاں جو پہلی کتب سے پیدا ہوتی تھیں مٹادی ہیں اور جو دھوکہ تصویری زبان سے لگ سکتا تھا اس کا ازالہ کر دیا ہے مثلاً بائیبل میں تو یہ کہا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اصلی جنّت میں رکھا اور اصل جنّت کی علامت یہ ہے کہ اس میں گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا۔ لیکن باوجود اسکے بائیبل کہتی ہے آدم نے گناہ کیا۔ لیکن قرآن کریم نے گو آدم کے مقام کا نام بعض جگہ جنت رکھا ہے مگر دوسری جگہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (بقرہ رکوع 4) کہہ کر اس مجاز کی حقیقت بھی بیان کر دی ہے۔ اسی طرح اور بہت سے مسائل آدم کے متعلق جو قصّہءِ آدم میں بیان ہوئے ہیں وہ دوسری آیات کے ذریعہ سے یا انہی آیات کے بعض حصوں سے حل کر دیئے گئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان کو خیر اور شر کی طاقت دی گئی تو دونوں قسم کے محرکات اس کے لئے ضروری تھے اس لئے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے یہ دونوں پیدا کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے ملائکہ کو حکم دیا کہ جس قسم کے یہ کام کرے اس کے نتائج پیدا ہوتے چلے جائیں لیکن آدم اور ان کے ساتھیوں کے علاوہ بھی دُنیا میں مخلوق تھی جو آدم کے نظام کے تابع نہ ہوئی تھی۔ ان کے سردار کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی شیطان کا ظلّ ہونے کی وجہ سے شیطان اور ابلیس کے ناموں سے پُکارا ہے۔ اور جو کچھ آدم اور اس کے درمیان ایک لمبے عرصہ میں گزرا اسے ایک مختصر مکالمہ کی صورت میں بیان کر دیا ہے۔

یاد رہے کہ وہ شیطان جو بطور محرّک بدی کے پیدا کیا گیا ہے اور ایک غیر مرئی وجود ہے جس طرح ملائکہ ہیں وہ خود آ کر لوگوں سے باتیں نہیں کیا کرتا۔ نہ مجسّم ہو کر انسانوں کو تکلیف دیتا ہے۔ جو لوگ شامت اعمال سے نیکی کا مقام کھو بیٹھتے ہیں وہ اس کے ظلّ ہو جاتے ہیں اور انہی کے کاموں کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ جو دوسرے محرّکات بدی کے ہوتے ہیں وہ بھی شیطان کہلاتے ہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے (مسند احمد جلد اوّل بروایت ابن عباس صفحہ 257) اس لئے وہ مجھے ہمیشہ نیکی کا حکم دیتا ہے اس ارشاد سے مراد آپ کی یہی ہے کہ جو اسباب لوگوں کو بدی کی تحریک کرنے کا موجب ہوتے ہیں وہ میرے کامل تقویٰ کی وجہ سے میرے لئے نیکی میں ترقی کرنے کا موجب ہو جاتے ہیں ورنہ یہ مراد نہیں کہ ہر آدمی کے لئے الگ الگ شیطان ہوتا ہے اور آپ کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا اگر ایسا تھا تو پھر آپؐ استعاذہ وغیرہ کیوں کرتے تھے وہ اصلی شیطان تو اسی پہلی حالت میں موجود تھا مگر خیالات اور جذبات میں جو حالات اس کی نیابت کرتے ہیں وہ آپؐ کے لئے مسلمان ہوگئے تھے مگر انسانوں میں سے جو اس کی نیابت کرتے تھے وہ اپنی شیطنت پر قائم تھے اور مسلمان نہ ہوئے تھے جیسے ابوجہل وغیرہ۔

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 72-75)

حدیثِ مبارکہ

عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ جُرْثُوْمِ بْنِ نَاشِرٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا، وَحَرَّمَ اَشْیَآءَ فَلَا تَنْتَھِکُوْھَا وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَآءَ رَحْمَۃً لَکُمْ غَیْرَ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْ عَنْھَا۔

(دار قطنی)

حضرت ثعلبہ خُشَنی جرثوم بن ناشر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں ان کو ضائع مت کرو اور اس نے کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ اشیاء کو حرام ٹھہرایا ہے ان کی حرمت کو نہ توڑو اور بعض چیزوں کے بیان کرنے میں از راہِ شفقت و رحمت خاموشی اختیار فرمائی ہے نہ کہ بھول سے پس ان کی کرید میں مت پڑو۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَقُوْلُ: اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَبَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَاتٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُھَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِیْنِہٖ وَعِرْضِہٖ، وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُھَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ کَالرَّاعِیْ یَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ اَنْ یَّرْتَعَ فِیْہِ، اَلَا وَاِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمًی، اَلَا وَاِنَّ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ، اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ: اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔

(بخاری کتاب الایمان باب فضل استبر الدینہ ۔ مسلم کتاب البیوع باب اخذ الحلال)

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ حرام اور حلال اشیاء واضح ہیں اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو لوگ مشتبہات سے بچتے رہتے ہیں وہ اپنے دین کو اور اپنی آبرو کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ اور جو شخص شبہات میں گرفتار رہتا ہے بہت ممکن ہے کہ وہ حرام میں جا پھنسے یا کسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھے۔ ایسے شخص کی مثال بالکل اس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ علاقے کے قریب قریب اپنے جانور چراتا ہے، بالکل ممکن ہے کہ اس کے جانور اس علاقہ میں گھس جائیں۔ دیکھو ہر بادشاہ کا ایک محفوظ علاقہ ہوتا ہے جس میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا محفوظ علاقہ اس کے محارم ہیں۔ اور سنو! انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب تک وہ تندرست اور ٹھیک رہے تو سارا جسم تندرست اور ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ خراب اور بیمار ہو جائے تو سارا جسم بیمار اور لاچار ہو جاتا ہے اور اچھی طرح یاد رکھو کہ یہ گوشت کا ٹکڑا انسان کا دل ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیل کہ آپ کا مذہب زندہ ہے

''پھر آپ کی حقانیت پر ایک اور دلیل بھی عجیب تر ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں پائی نہیں جاتی اور وہ آپ کے دیئے ہوئے مذہب کا زندہ مذہب ہونا ہے۔ زندہ مذہب وہ مذہب ہوتا ہے جس کی زندگی کے آثار ہر وقت ثابت ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے ثمرات اور برکات اور تاثیرات کبھی مردہ نہیں ہوتے بلکہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ پائے جاتے ہیں۔ جو درخت خریف کے دنوں میں ٹنڈ ہو جاتے ہیں اور کوئی پھل پھول اور پتا ان کا نظر نہیں آتا بلکہ نری خشک لکڑیاں نظر آتی ہیں انہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ پھلدار درخت ہے۔ لیکن جب ربیع کا موسم شروع ہوتا ہے اور خزاں کا دور ختم ہو جاتا ہے تو پھلدار درختوں کی شان ہی الگ ہوتی ہے۔ ان میں پھل پھول شروع ہو جاتے ہیں۔ جیسے یہ خریف اور ربیع کے دو سلسلے ہوتے ہیں۔ ایک صدی جب گزر جاتی ہے تو لوگوں میں سُستی اور غفلت اور دین کی طرف سے لاپرواہی شروع ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی اخلاقی کمزوریاں اور عملی اور اعتقادی غلطیاں اُن میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ زمانہ غفلت اور لاپرواہی کا خریف کے زمانہ سے مشابہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور یہ ربیع کا زمانہ ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ ایک مجدّد کو بھیج دیتا ہے جو نئے سرے سے دین کو تازہ کرتا ہے۔ پس یہ مجدّد کا اور اسلام کا تازہ بتازہ رہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل ہے کیونکہ اسی سے اس مذہب کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ غور کرو کہ جن باغوں کے لئے خریف ہی ہو اور ربیع میں وہ اپنا کوئی نمونہ نہ دکھائیں اور ان میں تازگی اور شگفتگی پیدا نہ ہو۔ پھر وہ کیا بچیں گے۔ آخر وہ تو کاٹ کر جلا لئے جائیں گے۔ یہی حال اس وقت دوسرے مذاہب کا ہو رہا ہے۔ ان پر خزاں کا اثر تو ہو چکا مگر ربیع کا دور اُن میں نہیں آتا۔ اور خود ان کے ماننے والے تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں وہ برکات، تاثیرات اور ثمرات جو ایک زندہ مذہب میں ہونے چاہئیں نہیں ہیں تو پھر ان کی اپنی شہادت کے موجود ہوتے ہوئے کسی اور دلیل کی کیا حاجت ہے۔''

زندہ مذہب کا مقابلہ

''ہندوؤں اور عیسائیوں کے مذہب پر تو خزاں کا تصرّف اور دخل ہو چکا۔ ان میں کوئی تاثیرات اور نشانات نہیں ہیں۔ میں اعلانیہ کہتا ہوں کہ ان میں زندہ مذہب کی برکات نہیں ہیں۔ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میں ہر سزا کیلئے جو وہ میرے لئے تجویز کریں تیار ہوں۔ لیکن سچ یہی ہے کہ وہ رُوحانیت سے خالی ہیں اور بالکل مر چکے ہیں۔ ان میں زندگی کے آثار بالکل نہیں۔ وہ بے حس و حرکت پڑے ہوئے ہیں اور ان مذاہب کو ماننے والے صرف ایک مردہ کو لئے ہوئے ہیں کیونکہ وہ خدا جس پر کامل یقین اس سے سچا تعلق پیدا کر لیتا ہے اور جس تعلق سے پھر نجات ملتی ہے وہ اُن کے نزدیک ایک وہمی ہستی ہے جس پر کوئی روشن دلیل نہیں ہے کیا کوئی ان میں ایسا شخص ہے جو دعویٰ کرے کہ میں نے خدا تعالیٰ کو خود بولتے سُنا ہے؟ اس نے میری دعاؤں کا جواب دیا ہے؟ یا اس نے اپنے فضل سے غیروں میں امتیاز کے لئے خارق عادت نشانات ایسے دیئے ہیں جس سے اس میں اور اس کے غیروں میں امتیاز قائم ہو جاوے اگر کوئی ایسا شخص ہے تو اس کا نشان دو۔ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس امر کے تسلیم کرنے میں سب طرح سے کام نہ لو کہ فی الحقیقت یہ مذہب خزاں کا نشانہ ہو چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی پر جیسی یہ واضح دلیل ہے کہ خود وہ اپنے بندے سے کلام کرے اور نشانات ظاہر ہوں اور کوئی دلیل اس کے مقابلہ میں نہیں آسکتی باقی صرف قیاسات ہیں۔''

(ملفوظات جلد 9 صفحات 146-148)

کلام امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

یا الٰہی اک نشاں اپنے کرم سے پھر دکھا
گردنیں جھک جائیں جس سے اور مکذّب ہوں خوار

اک کرشمہ سے دکھا اپنی وہ عظمت اے قدیر
جس سے دیکھے تیرے چہرے کو ہر اک غفلت شعار

تیری طاقت سے جو مُنکر ہیں انہیں اب کچھ دکھا
پھر بدل دے گلشن وگلزار سے یہ دشتِ خار

زور سے جھٹکے اگر کھاوے زمیں کچھ غم نہیں
پر کسی ڈھب سے تزلزل سے ہو ملّت رستگار

دین و تقویٰ گم ہُوا جاتا ہے یارب رحم کر
بے بسی سے ہم پڑے ہیں کیا کریں کیا اختیار

میرے آنسو اس غمِ دلِ سوز سے تھمتے نہیں
دیں کا گھر ویراں ہے اور دُنیا کے ہیں عالی منار

دیں تو اک ناچیز ہے دُنیا ہے جو کچھ چیز ہے
آنکھ میں اُن کی جو رکھتے ہیں زَر و عِزّ و وَقار

جس طرف دیکھیں وہیں اک دہریت کا جوش ہے
دیں سے ٹھٹھا اور نمازوں روزوں سے رکھتے ہیں عار

جاہ و دولت سے یہ زہریلی ہوا پیدا ہوئی
موجبِ نخوت ہوئی رفعت کہ تھی اک زہرِ مار

ہے بلندی شانِ ایزد گر بشر ہووے بلند
فخر کی کچھ جا نہیں وہ ہے متاعِ مُستعار

ایسے مغروروں کی کثرت نے کیا دیں کو تباہ
ہے یہی غم میرے دل میں جس سے ہوں میں دلفگار

اے مرے پیارے مجھے اس سیلِ غم سے کر رِہا
ورنہ ہو جائے گی جاں اس درد سے تجھ پر نثار

خطبہ جمعہ

یاد رکھیں بحیثیت گھر کے سربراہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گھر کے ماحول پر نظر رکھے، اپنی بیوی کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے بچوں کے بھی حقوق ادا کرے

قرآن مجید،احادیث نبویہ اور ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوالے سے

مردوں کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے اور اپنے اہل وعیال سے حسن سلوک کی تاکیدی نصیحت

خطبہ جمعہ ارشادفرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز 2رجولائی 2004 بمطابق 2روفا 1383 ہجری شمسی بمقام انٹرنیشنل سنٹر، مسی ساگا (کینیڈا)

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ
أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

(سورۃ الفرقان آیت نمبر75)

اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو اپنے جیون ساتھیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کے قویٰ کو جسمانی لحاظ سے مضبوط بنایا ہے اس لئے اس کی ذمہ داریاں اور فرائض بھی عورت سے زیادہ ہیں۔ اس سے ادائیگی حقوق کی زیادہ توقع کی جاتی ہے۔ عبادات میں بھی اس کو عورت کی نسبت زیادہ مواقع مہیا کئے گئے ہیں۔ اور اس لئے اس کو گھر کے سربراہ کی حیثیت بھی حاصل ہے اور اسی وجہ سے اس پر بحیثیت خاوند بھی بعض اہم ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ اور اسی وجہ سے بحیثیت باپ اس پر ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ اور بہت ساری ذمہ داریاں ہیں، چند ایک کا میں یہاں ذکر کروں گا۔ اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے حکم دیا کہ تم نیکیوں پر قائم ہو، تقویٰ پر قائم ہو، اور اپنے گھر والوں کو، اپنی بیویوں کو، اپنی اولاد کو تقویٰ پر قائم رکھنے کے لئے نمونہ بنو۔ اور اس کے لئے اپنے رب سے مدد مانگو، اس کے آگے روؤ، گڑگڑاؤ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے اللہ! ان راستوں پر ہمیشہ چلاتا رہ جو تیری رضا کے راستے ہیں، کبھی ایسا وقت نہ آئے کہ ہم بحیثیت گھر کے سربراہ کے، ایک خاوند کے اور ایک باپ کے، اپنے حقوق ادا نہ کرسکیں اور اس وجہ سے تیری ناراضگی کا موجب بنیں۔ تو جب انسان سچے دل سے یہ دعا مانگے اور اپنے عمل سے بھی اس معیار کو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ نہ ایسے گھروں کو برباد کرتا ہے، نہ ایسے خاوندوں کی بیویاں ان کے لئے دکھ کا باعث بنتی ہیں اور نہ ان کی اولاد ان کی بدنامی کا موجب بنتی ہے۔ اور اس طرح گھر جنت کا نظارہ پیش کر رہا ہوتا ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ معیار حاصل کرنے

کے لئے کیا نمونے دیئے ہیں اور کیا نصائح فرمائی ہیں۔ اس کی کچھ مثالیں میں اس وقت یہاں پیش کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ امام نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ اور مرد اپنے اہل پر نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مرد اپنے والد کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور فرمایا تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

(بخاری کتاب الجمعة ۔باب الجمعة فی القریٰ والمدن)

تو اس روایت میں مختلف طبقوں کے بارے میں ذکر ہے کہ وہ اپنے اپنے ماحول میں نگران ہیں لیکن اس وقت میں کیونکہ مردوں کے بارے میں ذکر کر رہا ہوں اس لئے اس بارے میں تھوڑی سی وضاحت کر دوں۔ عموماً اب یہ رواج ہو گیا ہے کہ مرد کہتے ہیں کیونکہ ہم پر باہر کی ذمہ داریاں ہیں، ہم کیونکہ اپنے کاروبار میں اپنی ملازمتوں میں مصروف ہیں اس لئے گھر کی طرف توجہ نہیں دے سکتے اور بچوں کی نگرانی کی ساری ذمہ داری عورت کا کام ہے۔ تو یاد رکھیں کہ بحیثیت گھر کے سربراہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گھر کے ماحول پر بھی نظر رکھے، اپنی بیوی کے بھی حقوق ادا کرے اور اپنے بچوں کے بھی حقوق ادا کرے، انہیں بھی وقت دے ان کے ساتھ بھی کچھ وقت صرف کرے چاہے ہفتہ کے دو دن ہی ہوں، ویک اینڈز پر جو ہوتے ہیں۔ انہیں مسجد سے جوڑے، انہیں جماعتی پروگراموں میں لائے، ان کے ساتھ تفریحی پروگرام بنائے، ان کی دلچسپیوں میں حصہ لے تا کہ وہ اپنے مسائل ایک دوست کی طرح آپ کے ساتھ بانٹ سکیں۔ بیوی سے اس کے مسائل اور بچوں کے مسائل کے بارے میں پوچھیں، ان کے حل کرنے کی کوشش کریں۔ پھر ایک سربراہ کی حیثیت آپ کو مل سکتی ہے۔ کیونکہ کسی بھی جگہ کے سربراہ کو اگر اپنے دائرہ اختیار میں اپنے رہنے والوں کے مسائل کا علم نہیں تو وہ کامیاب سربراہ نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے بہترین نگران وہی ہے جو اپنے ماحول کے مسائل کو بھی جانتا ہو۔ یہ قابل فکر بات ہے کہ آہستہ آہستہ ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو اپنی ذمہ داریوں سے اپنی نگرانی کے دائرے سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہیں یا آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اور اپنی دنیا میں مست رہ کر زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو مومن کو، ایک احمدی کو ان باتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔ مومن کے لئے تو یہ حکم ہے کہ دنیاداری کی باتیں تو الگ رہیں، دین کی خاطر بھی اگر تمہاری مصروفیات ایسی ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے تم نے مستقلاً اپنا یہ معمول بنا لیا ہے، یہ روٹین بنا لی ہے کہ اپنے گرد و پیش کی خبر ہی نہیں رکھتے، اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتے، اپنے ملنے والوں کے حقوق ادا نہیں کرتے، اپنے معاشرے کی ذمہ داریاں نہیں نبھاتے تو یہ بھی غلط ہے۔ اس طرح تقویٰ کے اعلیٰ معیار قائم نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ معیار حاصل کرنے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرو اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرو۔

جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عبداللہ! جو مجھے بتایا گیا ہے کیا یہ درست ہے کہ تم دن بھر روزے رکھتے رہتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو یعنی نمازیں پڑھتے رہتے ہو، اس پر میں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ۔ تو پھر آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو کبھی روزہ رکھو کبھی چھوڑ دو، رات کو قیام کرو اور سو بھی جایا کرو۔ کیونکہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری زیارت کو آنے والے کا بھی تم پر حق ہے۔

(بخاری کتاب الصوم باب حق الجسم فی الصوم)

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر کے سربراہ کی حیثیت سے گھر والوں کے حقوق کس طرح ادا کیا کرتے تھے اس بارے میں حضرت اسودؓ کی

روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر کیا کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ اپنے اہل خانہ کی خدمت میں لگے رہتے تھے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان)

تو آپؐ سے زیادہ مصروف اور آپؐ سے زیادہ عبادت گزار کون ہو سکتا ہے۔ لیکن دیکھیں آپؐ کا اسوہ کیا ہے کتنی زیادہ گھریلو معاملات میں دلچسپی ہے کہ گھر کے کام کاج بھی کر رہے ہیں اور دوسری مصروفیات میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک میں بہتر ہے''

اور فرمایا کہ:

''میں تم سے بڑھ کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں''۔

(ترمذی کتاب المناقب)

ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم اس خوبصورت نمونہ پر، اس اسوہ پر عمل کرتے ہیں؟ بعض ایسی شکایات بھی آتی ہیں کہ ایک شخص گھر میں کرسی پہ بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے، پیاس لگی تو بیوی کو آواز دی کہ فریج میں سے پانی یا جوس نکال کر مجھے پلا دو۔ حالانکہ قریب ہی فریج پڑا ہوا ہے خود نکال کر پی سکتے ہیں۔ اور اگر بیوی بیچاری اپنے کام کی وجہ سے یا مصروفیت کی وجہ سے یا کسی وجہ سے لیٹ ہو گئی تو پھر اس پر گرجنا، برسنا شروع کر دیا۔ تو ایک طرف تو یہ دعویٰ ہے کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور دوسری طرف عمل کیا ہے، ادنیٰ سے اخلاق کا بھی مظاہرہ نہیں کرتے۔ اور کئی ایسی مثالیں آتی ہیں جو پوچھو تو جواب ہوتا ہے کہ ہمیں تو قرآن میں اجازت ہے عورت کو سرزنش کرنے کی۔ تو واضح ہو کہ قرآن میں اس طرح کی کوئی ایسی اجازت نہیں ہے۔ اس طرح آپ اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے قرآن کو بدنام نہ کریں۔

گھریلو زندگی کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گواہی یہ ہے کہ نبی کریمؐ تمام لوگوں سے زیادہ نرم خو تھے اور سب سے زیادہ کریم، عام آدمیوں کی طرح بلا تکلف گھر میں رہنے والے، آپ نے کبھی تیوری نہیں چڑھائی، ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ نیز آپؓ فرماتی ہیں کہ:

''اپنی ساری زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھایا نہ کبھی خادم کو مارا''۔ خادم کو بھی کبھی کچھ نہیں کہا۔

(شمائل ترمذی باب ما جاء فی خلق رسول اللہﷺ)

آج کل دیکھیں ذرا ذرا سی بات پر عورت پر ہاتھ اٹھا لیا جاتا ہے حالانکہ جہاں عورت کو سزا کی اجازت ہے وہاں بہت سی شرائط ہیں اپنی مرضی کی اجازت نہیں ہے۔ چند شرائط ہیں ان کے ساتھ یہ اجازت ہے۔ اور شاید ہی کوئی احمدی عورت اس حد تک ہو کہ جہاں اس سزا کی ضرورت پڑے۔ اس لئے بہانے تلاش کرنے کی بجائے مرد اپنی ذمہ داریاں سمجھیں اور عورتوں کے حقوق ادا کریں جیسے کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۔فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ۔ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ۔فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۔

(سورۃ النساء آیت نمبر35)

یعنی مرد عورتوں پر نگران ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر بخشی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے اموال ان پر خرچ کرتے ہیں۔ (جو نکھٹو گھر بیٹھے رہتے ہیں وہ تو ویسے ہی نگران نہیں بنتے) پس نیک عورتیں فرمانبردار اور غیب میں بھی ان چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں جن کی حفاظت کی اللہ نے تاکید کی ہے۔ اور وہ عورتیں جن سے تمہیں باغیانہ رویے کا خوف ہو تو ان کو پہلے تو نصیحت کرو (اس میں بے حیائی نہیں ہے ایسی باتیں جو ہمسائیوں میں کسی بدنامی کا موجب بن رہی ہوں، بعض ایسی حرکتیں ہوتی ہیں) تو پہلے ان کو نصیحت کرو، پھر ان کو بستروں میں الگ چھوڑ دو اور پھر اگر ضرورت ہو تو ان کو بدنی سزا بھی دو اور پھر فرمایا پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو پھر ان کے

خلاف کوئی حجت یا بہانے تلاش نہ کرو۔ یقیناً اللہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

تو فرمایا کہ اس انتہائی باغیانہ رویے سے عورت اپنی اصلاح کر لے تو پھر بلاوجہ اسے سزا دینے کے بہانے تلاش نہ کرو یاد رکھو کہ اگر تم تقویٰ سے خالی ہو کر ایسی حرکتیں کرو گے اور اپنے آپ کو سب کچھ سمجھ رہے ہو گے اور عورت کی تمہارے نزدیک کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو یاد رکھو کہ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے تمہاری پکڑ بھی کر سکتی ہے۔ اس لئے جو درجے سزا کے مقرر کئے گئے ہیں ان کے مطابق عمل کرو اور جب اصلاح کا کوئی پہلو نہ دیکھو، اگر ایسی عورت کا بدستور وہی رویہ ہے تو پھر سزا کا حکم ہے۔ یہ نہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر اٹھے اور ہاتھ اٹھا لیا یا سوٹی اٹھا لی۔ اور اتنے ظالم بھی نہ بنو کہ بہانے تلاش کر کے ایک شریف عورت کو اس باغیانہ روش کے زمرے میں لے آؤ اور پھر اسے سزا دینے لگو۔ ایسے مرد یاد رکھیں کہ خدا کا قائم کردہ نظام بھی یعنی نظام جماعت بھی، اگر نظام کے علم میں یہ بات آ جائے تو ایسے لوگوں کو ضرور سزا دیتا ہے۔ خدا کے لئے قرآن کو بدنام نہ کریں اور اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے ہادیٔ کامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ

تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس کا اپنے اہل کے ساتھ عمدہ سلوک ہو۔

بیوی کے ساتھ جس کا عمدہ چال چلن اور معاشرت اچھی نہیں وہ نیک کہاں۔ دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی تب کر سکتا ہے جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو''۔

جو بظاہر نیک نظر آتے ہیں ان میں بھی کئی خامیاں ہوتی ہیں، جو بیویوں کے ساتھ یا گھر والوں کے ساتھ نیک سلوک نہیں کر رہے اس لئے معاشرے کو بھی ایسے لوگوں پر غور کرنا چاہئے۔ ظاہری چیز پہ نہ جائیں۔ فرمایا کہ:

''جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو اور عمدہ معاشرت رکھتا ہو۔ نہ یہ کہ ہر ادنیٰ بات پر زدوکوب کرے۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک غصے سے بھرا ہوا انسان بیوی سے ادنیٰ سی بات پر ناراض ہو کر اس کو مارتا ہے اور کسی نازک مقام پر چوٹ لگی ہے اور بیوی مر گئی ہے۔ اس لئے ان کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

ہاں اگر وہ بے جا کام کرے تو تنبیہہ ضروری چیز ہے''۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 403-404)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کو ایک دوسرے میں خوبیاں تلاش کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اگر تم میں سے کسی کو دوسرے میں عیب نظر آتا ہے یا اس کی کوئی ادا ناپسند ہے تو کئی باتیں اس کی پسند بھی ہوں گی جو اچھی بھی لگیں گی۔ تو وہ پسندیدہ باتیں جو ہیں ان کو مدنظر رکھ کر ایثار کا پہلو اختیار کرتے ہوئے موافقت کی فضا پیدا کرنی چاہئے۔ آپس میں صلح و صفائی کی فضا پیدا کرنی چاہئے تو یہ میاں بیوی دونوں کو نصیحت ہے کہ اگر دونوں ہی اگر اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھیں تو چھوٹی چھوٹی جو ہر وقت گھروں میں لڑائیاں، چخ چخ ہوتی رہتی ہیں وہ نہ ہوں اور بچے بھی برباد نہ ہوں۔ ذرا ذرا سی بات پر معاملات بعض دفعہ اس قدر تکلیف دہ صورت اختیار کر جاتے ہیں کہ انسان سوچ کر پریشان ہو جاتا ہے کہ ایسے لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں کہ جو کہنے کو تو انسان ہیں مگر جانوروں سے بھی بدتر۔

(مسلم کتاب الرضاع باب الوصیة بالنسآء)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً پندرہ سال کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے پہلی وحی کے موقع پہ جو گواہی دی، جب وحی ہوئی اور آنحضرت ﷺ بہت پریشان تھے کہ کیا ہو گیا تو حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا کہ ''بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے اور رشتہ داروں سے حسن سلوک فرماتے ہیں اور غریبوں ناداروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں اور معدوم ہو جانے والی نیکیوں کو زندہ کرنے والے ہیں''، یعنی جو نیکیاں ختم ہو گئی ہیں ان کو دوبارہ زندہ کرنے والے ہیں'' اور سچ بولنے کے نتیجہ

میں پیش آنے والی مشکلات کے باوجود حق کے ہی معین و مددگار ہیں''۔(یعنی سچی بات ہی کہتے ہیں''اورمہمان نواز بھی ہیں''۔

(بخاری بدء الوحی)

تو ایک انسان میں جو خصوصیات ہونی چاہئیں خاص طور پر ایک مرد میں جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے جس سے پاک معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے وہ یہی ہے جن کا ذکر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے خلق کے ضمن میں فرمایا کہ صلہ رحمی اور حسن سلوک، رشتہ داروں کا خیال، ان کی ضروریات کا خیال، ان کی تکالیف کو دور کرنے کی کوشش۔ اب صلہ رحمی بھی بڑا وسیع لفظ ہے اس میں بیوی کے رشتہ داروں کے بھی وہی حقوق ہیں جو مرد کے اپنے رشتے داروں کے ہیں۔ ان سے بھی صلہ رحمی اتنی ہی ضروری ہے جتنی اپنوں سے۔ اگر یہ عادت پیدا ہو جائے اور دونوں طرف سے صلہ رحمی کے یہ نمونے قائم ہو جائیں تو پھر کیا کبھی اس گھر میں تُو تکار ہو سکتی ہے؟ کوئی لڑائی جھگڑا ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ کیونکہ اکثر جھگڑے ہی اس بات سے ہوتے ہیں کہ ذرا سی بات ہوئی یا ماں باپ کی طرف سے کوئی رنجش پیدا ہوئی یا کسی کی ماں نے یا کسی کے باپ نے کوئی بات کہہ دی، اگر مذاق میں ہی کہہ دی اور کسی کو بری لگی تو فوراً ناراض ہو گیا کہ میں تمہاری ماں سے بات نہیں کروں گا، میں تمہارے باپ سے بات نہیں کروں گا۔ میں تمہارے بھائی سے بات نہیں کروں گا پھر الزام تراشیاں کہ وہ یہ ہیں اور وہ ہیں تو یہ زود رنجیاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر، یہی پھر بڑے جھگڑوں کی بنیاد بنتی ہیں۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر اپنی بیویوں کے رشتہ داروں سے اور ان کی سہیلیوں سے حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔ بے شمار مثالوں میں سے ایک یہاں دیتا ہوں۔

راوی نے لکھا ہے کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ کی آواز کان میں پڑتے ہی کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے اور خوش ہو کر فرماتے یہ تو خدیجہ کی بہن ہالہ آئی ہے۔ اور آپ کا یہ دستور تھا کہ گھر میں کبھی کوئی جانور ذبح ہوتا تو اس کا گوشت حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں میں بھجوانے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔''

(صحیح مسلم کتاب الفضائل با ب من فضائل خدیجه)

لیکن یہاں تھوڑی سی وضاحت بھی کر دوں اس کی تشریح میں۔ بعض باتیں سامنے آتی ہیں جن کی وجہ سے وضاحت کرنی پڑ رہی ہے۔ کیونکہ معاشرے میں عورتیں اور مرد زیادہ مکس اپ (Mixup) ہونے لگ گئے ہیں۔ اس سے کوئی یہ مطلب نہ لے لے کہ عورتوں کی مجلسوں میں بھی بیٹھنے کی اجازت مل گئی ہے اور بیویوں کی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھنے کی بھی کھلی چھٹی مل گئی ہے۔ خیال رکھنا بالکل اور چیز ہے اور بیوی کی سہیلیوں کے ساتھ دوستانہ کر لینا بالکل اور چیز ہے۔ اس سے بہت سی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ کئی واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ پھر بیوی تو ایک طرف رہ جاتی ہے اور سہیلی جو ہے وہ بیوی کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔ مرد تو پھر اپنی دنیا بسا لیتا ہے لیکن وہ پہلی بیوی بیچاری روتی رہتی ہے۔ اور یہ حرکت سراسر ظلم ہے اور اس قسم کی اجازت اسلام نے قطعاً نہیں دی۔ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں شادی کرنے کی اجازت ہے یہاں ان معاشروں میں خاص طور پر احتیاط کرنی چاہئے۔ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں، اُس بیوی کا بھی خیال رکھیں جس نے ایک لمبا عرصہ تنگی ترشی میں آپ کے ساتھ گزارا ہے۔ آج یہاں پہنچ کر اگر حالات ٹھیک ہو گئے ہیں تو اس کو دھتکار دیں، یہ کسی طرح بھی انصاف نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ:

''میں نے ایک دفعہ آپؐ کو کہا کہ اے اللہ کے رسول! خدا نے آپؐ کو اس قدر اچھی اچھی بیویاں عطا فرمائی ہیں۔ اب اس بڑھیا (یعنی حضرت خدیجہؓ) کا ذکر جانے بھی دیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں، نہیں۔ خدیجہ اس وقت میری ساتھی بنی جب میں تنہا تھا۔ وہ اس وقت میری سپر بنی جب میں بے یار و مددگار تھا۔ وہ اپنے مال کے ساتھ مجھ پر فدا ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے مجھے اولاد بھی عطا کی۔ انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔''

(مسند احمد بن حنبل جلد نمبر6 صفحہ 118 مطبوعہ بیروت)

تو یہ ہے اسوۂ حسنہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے اور ایسے معاملات سن کر بڑی تکلیف ہوتی ہے، طبیعت بعض دفعہ بے چین ہو جاتی ہے کہ ہم میں سے بعض کس طرف چل پڑے ہیں۔ بیوی کی ساری قربانیاں بھول جاتے ہیں حتّٰی کہ بعض تو اس حد تک کمینگی پر اُتر

آتے ہیں کہ بیوی سے رقم لے کر اس پر دباؤ ڈال کر اس کے ماں باپ سے رقم وصول کر کے کاروبار کرتے ہیں یا زبردستی بیوی کے پیسوں سے خریدے ہوئے مکان میں اپنا حصہ ڈال لیتے ہیں اور پھر اس کو مستقل دھمکیاں ہوتی ہیں۔ اور بعض دفعہ تو حیرت ہوتی ہے کہ اچھے بھلے شریف خاندانوں کے لڑکے بھی ایسی حرکتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ کچھ خوف خدا کریں اور اپنی اصلاح کریں۔ ورنہ یہ واضح ہو کہ نظام جماعت، اگر نظام کے پاس معاملہ آ جائے تو، کبھی ایسے بیہودہ لوگوں کا ساتھ نہیں دیتا، نہ دے گا۔ اور پھر یہی نہیں کہ لڑکے خود کرتے ہیں بلکہ ایسے لڑکوں کے ماں باپ بھی ان پر دباؤ ڈال کے ایسی حرکتیں کرواتے ہیں۔ وہ بھی یاد رکھیں کہ ان کی بھی بیٹیاں ہیں اور ان سے بھی یہی سلوک ہو سکتا ہے۔ اور اگر بیٹیاں نہیں ہیں جن کی تکلیف کا احساس ہو، بعضوں کے بیٹے ہوتے ہیں اس لئے ان کو بیٹیوں کی تکلیف کا پتہ ہی نہیں لگتا۔ تو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو جان دینی ہے، اس کے حضور تو حاضر ہونا ہے۔

حضرت عائشہؓ ایک روایت کرتی ہیں کہ

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دیر سے گھر لوٹتے تو کسی کو زحمت دیئے یا جگائے بغیر خود ہی کھانا لے کر تناول فرما لیتے یا دودھ ہوتا تو خود ہی لے کر نوش فرما لیتے۔

(مسلم کتاب الاشربہ باب اکرام الضیف)

یہ اسوہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لیکن بعض مثالیں ایسی سامنے آتی ہیں، عموماً اب یہ ہوتا ہے کہ مرد لیٹ کام سے واپس آتے ہیں اور یہ روز کا معمول ہے اور اگر بیوی کسی دن طبیعت کی خرابی کی وجہ سے پہلے کھانا کھا لے تو ایک قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ موڈ بگڑ جاتے ہیں کہ تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا۔ ہمارے معاشرے میں پاکستانی، ہندوستانی اس مشرقی معاشرے میں یہ بات زیادہ پیدا ہوتی جا رہی ہے، پہلے بھی تھی لیکن پڑھے لکھے ہونے کے ساتھ ساتھ ختم ہونی چاہئے تھی، اس کی بھی اصلاح کرنی چاہئے۔ اور 'زیادہ' سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک دو فیصد بھی ہمارے اندر ہے تب بھی قابل فکر ہے، بڑھ سکتی ہے۔ پھر اس وجہ سے خاوند تو جو ناراض ہوتا ہے بیوی سے تو ہوتا ہے، ساس سسر بھی ناراض ہو جاتے ہیں اپنی بہو سے۔ کہ تم نے کیوں انتظار نہیں کیا۔

پھر ایک روایت ہے کہ

آنحضرتؐ کی ایک بیوی حضرت صفیہؓ تھیں جو رسول اللہ کے شدید معاند اور یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار حییٔ بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ جنگ خیبر سے واپسی پر آنحضرتؐ نے اونٹ پر حضرت صفیہؓ کے لئے خود جگہ بنائی۔ آپؐ نے جو عبا زیب تن کر رکھا تھا اسے اُتار کر اور تہہ کر کے حضرت صفیہ کے بیٹھنے کی جگہ پر بچھا دیا۔ پھر ان کو سوار کرتے ہوئے آپ نے اپنا گھٹنا ان کے آگے جھکا دیا۔ اور فرمایا کہ اس پر پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر)

تو دیکھیں کس طرح آپ نے بیوی کا خیال رکھا۔ یہ نمونے آپؐ نے ہمیں عمل کرنے کے لئے دیئے ہیں۔ آج کل بعض لوگ صرف اس خیال سے بیویوں کا خیال نہیں رکھتے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ بیوی کا غلام ہو گیا ہے۔ بلکہ حیرت ہوتی ہے بعض لڑکوں کے، مردوں کے بڑے بزرگ رشتہ دار بھی بچوں کو کہہ دیتے ہیں کہ بیوی کے غلام نہ بنو۔ بجائے اس کے کہ آپس میں ان کی محبت اور سلوک میں اضافہ کرنے کا باعث بنیں۔ اپنے لئے کچھ اور پسند کر رہے ہوتے ہیں، دوسروں کے لئے کچھ اور پسند کر رہے ہوتے ہیں۔

پھر ایک روایت میں آتا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نمونہ گھریلو زندگی میں ہے ہر لحاظ سے مثالی اور بہترین تھا آپ اپنے اہل خانہ کے نان و نفقہ کا بطور خاص اہتمام فرماتے تھے۔ یعنی جو ان کے اخراجات ہیں ان کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ حتّٰی کہ اپنی وفات کے وقت بھی ازواج مطہرات کے نان نفقہ کے بارے میں تاکیدی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا خرچہ ان کو باقاعدگی کے ساتھ ادا کیا جائے۔''

(بخاری کتاب الوصایا باب نفقۃ القیم للوقت)

اس بات سے وہ مرد جو عورتوں کے مال پر نظر رکھے رہتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ذمہ داری ان کی ہے اور عورت کی رقم پر ان کا کوئی حق نہیں۔ اپنے بیوی بچوں کے خرچ پورے کرنے کے وہ مرد خود ذمہ دار ہیں۔ اس لئے جو بھی حالات ہوں چاہے مزدوری کر کے اپنے گھر کے خرچ پورے کرنے پڑیں ان کا فرض ہے کہ وہ گھر کے خرچ پورے کریں۔ اور اس محنت کے ساتھ اگر دعا

بھی کریں تو پھر اللہ تعالیٰ برکت بھی ڈالتا ہے اور کشائش بھی پیدا فرماتا ہے۔

ایک روایت ہے

حضرت سلمان بن احوص روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضورؐ کے ہمراہ موجود تھے۔ اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثناء کے بعد وعظ ونصیحت فرمائی اور پھر فرمایا کہ عورتوں کے بارے میں ہمیشہ بھلائی کے لئے کوشاں رہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ قیدیوں کی طرح بندھی ہوئی ہیں۔ تم ان پر کوئی حق ملکیت نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ وہ کھلی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں (یعنی تمہارا حق ملکیت نہیں کہ جب چاہو مارنا شروع کردو جب چاہو جو مرضی سلوک کرلو۔ سوائے اس کے کہ وہ بے حیائی کی مرتکب ہوں)۔ اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے کپڑوں اور کھانے کا بہترین خیال رکھو۔

(ترمذی کتاب الرضاع)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری باتوں کے کامل نمونہ ہیں آپؐ کی زندگی میں دیکھو کہ آپ عورتوں کے ساتھ کیسی معاشرت کرتے تھے۔ میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا مطالعہ کرو تمہیں معلوم ہو کہ آپ ایسے خلیق تھے۔ باوجودیکہ آپ بڑے بارعب تھے لیکن اگر کوئی ضعیفہ عورت بھی آپ کو کھڑا کرتی تھی تو آپؐ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ وہ اجازت نہ دے۔

(ملفوظات جلد نمبر 4 صفحہ 44۔ جدید ایڈیشن)

پھر ایک روایت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے بھلائی سے پیش آیا کرو۔ عورت یقیناً پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پسلی کے اوپر کے حصے میں زیادہ کجی ہوتی ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اسے توڑ دوگے۔ اور تم اسے چھوڑ دوگے تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس تم اس سے بھلائی ہی سے پیش آیا کرو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ

عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو توڑ دوگے اور اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو تم اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔

(بخاری کتاب الانبیاء باب خلق آدم وذریتہ)

اب پسلی کا زاویہ یا گولائی جو بھی ہے وہی اس کی مضبوطی ہے۔ اور انتہائی نازک حصہ بھی کسی جاندار کا اس کے حصار میں ہے۔ یعنی دل اور بعض دوسری چیزیں بھی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق سے انسان نے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لئے دیکھ لیں عمارتوں اور پُلوں میں جہاں زیادہ مضبوطی دینی ہو اسی طرح گولائی دی جاتی ہے۔ تو فرمایا کہ عورت کا جو مضبوط کردار ہے اس سے اگر فائدہ اٹھانا ہے تو اس کو زیادہ اپنے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہ کرو ورنہ فائدہ تو کیا وہ تمہارے کسی کام کی بھی نہیں رہے گی۔ لیکن یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ عورت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کا مادہ بہت زیادہ رکھا ہے۔ اگر خود نمونہ بن کر اس سے نیکی سے پیش آؤگے تو وہ خود اپنے آپ کو تمہاری خواہشات پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے گی۔ اس لئے اس سے زیادہ فائدہ سختی سے نہیں بلکہ پیار ومحبت سے ہی اٹھایا جاسکتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ:

''یہ طریق اچھا نہیں اس سے روک دیا جائے مسلمانوں کے لیڈر عبدالکریم کو۔ خُذُوْا الرِّفْقَ، خُذُوْا الرِّفْقَ، فَاِنَّ الرِّفْقَ رَأْسُ الْخَيْرَاتِ۔ کہ نرمی کرو نرمی کرو کہ تمام نیکیوں کا سر نرمی ہے''۔ .... فرمایا کہ ''حتی المقدور پہلا فرض مومن کا ہر ایک کے ساتھ نرمی حسن اخلاق ہے اور بعض اوقات تلخ الفاظ کا استعمال بطور تلخ دوا کے جائز ہے۔''

(اربعین نمبر 3 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 426۔حاشیہ)

اس الہام پر جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاشیہ رقم فرمایا

ہے اس میں آپؑ تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’ اس الہام میں تمام جماعت کے لئے تعلیم ہے کہ اپنی بیویوں سے رفق اور نرمی کے ساتھ پیش آویں۔ وہ ان کی کنیزیں نہیں ہیں۔ درحقیقت نکاح مرد اور عورت کا باہم ایک معاہدہ ہے۔ پس کوشش کرو کہ اپنے معاہدے میں دغاباز نہ ٹھہرو۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے

وَعَاشِرُوْ هُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

اور حدیث میں ہے:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ

یعنی تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنی بیوی سے اچھا ہے۔ سو روحانی اور جسمانی طور پر اپنی بیویوں سے نیکی کرو۔ ان کے لئے دعا کرتے رہو اور طلاق سے پرہیز کرو۔ کیونکہ نہایت بد، خدا کے نزدیک وہ شخص ہے، جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے جس کو خدا نے جوڑا ہے اس کو گندے برتن کی طرح مت توڑو۔

(ضمیمه تحفه گولڑویه۔ روحانی خزائن جلد17 صفحه 75۔ حاشیه۔ وتذکره صفحه 396-397)

پھر فرمایا:

’’ اسی طرح عورتوں اور بچوں کے ساتھ تعلقات اور معاشرت میں لوگوں نے غلطیاں کھائی ہیں اور جادۂ مستقیم سے بہک گئے ہیں‘‘۔ سیدھے رستے سے ہٹ گئے ہیں۔ ’’ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ وَعَاشِرُوْ هُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مگر اب اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے‘‘۔

فرمایا کہ:

’’ دو قسم کے لوگ اس کے متعلق بھی پائے جاتے ہیں ایک گروہ تو ایسا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو بالکل خلیع الرسن کر دیا ہے‘‘۔ (یعنی بے حیائی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی ہے) ’’ دین کا ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا اور وہ کھلے طور پر اسلام کے خلاف کرتی اور کوئی ان سے نہیں پوچھتا۔ بعض ایسے ہیں انہوں نے خلیع الرسن تو نہیں کیا مگر اس کے بالمقابل ایسی سختی اور پابندی کی ہے کہ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاسکتا۔ اور کنیزوں اور بہائم (یعنی جانوروں) سے بھی بدتر ان سے سلوک ہوتا ہے۔ مارتے ہیں تو ایسے بے درد ہو کر کہ کچھ پتہ ہی نہیں کہ آگے کوئی جاندار ہستی ہے یا نہیں۔ غرض بہت ہی بری طرح سلوک کرتے ہیں۔ یہاں کے پنجاب میں مثل مشہور ہے کہ عورت کو پاؤں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک اُتار دی اور دوسری پہن لی۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اسلام کے شعائر کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری باتوں میں کامل نمونہ ہیں۔ آپ کی زندگی دیکھو کہ آپ عورتوں سے کیسی معاشرت کرتے تھے۔ میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے‘‘۔

(ملفوظات جلد دوم صفحه 387-388۔جدید ایڈیشن)

بعض دفعہ گھروں میں چھوٹی موٹی چپقلشیں ہوتی ہیں ان میں عورتیں بحیثیت ساس کیونکہ ان کی طبیعت ایسی ہوتی ہے وہ کہہ دیتی ہیں کہ بہو کو گھر سے نکالو لیکن حیرت اس وقت ہوتی ہے جب سسر بھی، مرد بھی جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہوئی ہے اپنی بیویوں کی باتوں میں آ کر یا خود ہی بہوؤں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ بلاوجہ بہوؤں پہ ہاتھ بھی اٹھا لیتے ہیں۔ پھر بیٹوں کو بھی کہتے ہیں کہ مارو اور اگر مر گئی تو کوئی فرق نہیں پڑتا اور بیوی لے آئیں گے۔ اللہ عقل دے ایسے مردوں کو۔ ان کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ الفاظ یاد رکھنے چاہئیں کہ ایسے مرد بزدل اور نامرد ہیں۔

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

’’ چاہئے کہ بیویوں سے خاوندوں کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں اگر انہیں سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے

کہ خدا تعالیٰ سے صلح ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ تم میں سے اچھا ہے وہ جو اپنے اہل کے لئے اچھا ہے''۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 300-301۔جدید ایڈیشن)

ایک دفعہ مسجد میں مستورات کا ذکر چل پڑا تو ان کے متعلق احمدی احباب میں سے ایک سربرآوردہ ممبر کا ذکر سنایا کہ ان کے مزاج میں اول سختی تھی عورتوں کو ایسا رکھا کرتے تھے جیسے زندان میں رکھا کرتے ہیں یعنی قید میں رکھا کرتے ہیں۔ اور ذرا وہ نیچے اترتیں تو ان کو مارا کرتے۔ لیکن شریعت میں حکم ہے کہ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء :20)۔

نمازوں میں عورتوں کی اصلاح اور تقویٰ کے لئے دعا کرنی چاہیئے۔ قصاب کی طرح برتاؤ نہ کریں'' (فرمایا کہ قصائی کی طرح برتاؤ نہ کریں)'' کیونکہ جب تک خدا نہ چاہے کچھ نہیں ہوسکتا''۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ118)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے (یعنی اس کے رشتہ داروں سے بھی) نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

(کشتیٔ نوح روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 19)

پھر مرد کے فرائض میں سے بچوں کے حقوق بھی ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ:

ابرار کو اللہ تعالیٰ نے ابرار اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے اپنے والدین اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ جس طرح تم پر تمہارے والد کا حق ہے اسی طرح تم پر تمہارے بچے کا حق ہے۔

(الادب المفرد للبخاری باب برالأب لولده)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا بچہ تھا وہ اسے اپنے ساتھ چمٹانے لگا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس پر رحم کرتا ہے؟ اس پر اس نے کہا جی حضور! تو حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ پر اس سے بہت زیادہ رحم کرے گا جتنا تو اس پر کرتا ہے اور وہ خدا ارحم الراحمین ہے۔

(الادب المفرد للبخاری باب رحمة العيال)

پھر حضرت ایوبؓ اپنے والد اور اپنے دادا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی تربیت سے بڑھ کر کوئی بہترین تحفہ نہیں جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہو۔

(ترمذی ابواب البر والصلة باب فی ادب الولد)

تو اس زمانے میں اور خاص طور پر اس ماحول میں باپوں کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ صرف اپنی باہر کی ذمہ داریاں نہ نبھائیں، گھروں کی بھی ذمہ داری ہے۔ اور اس کو سمجھیں کیونکہ ہر طرف سے معاشرہ اور بگاڑنے والا ماحول منہ کھولے کھڑا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

'' میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے''۔ (بعض دفعہ بعض باپوں کو سزائیں دینے کا بہت شوق ہوتا ہے)'' گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے''۔ (اپنے آپ کو حصہ دار بنانا چاہتا ہے)۔'' ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد میں سزا سے کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود دار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا ہو اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے'' (کہ اگر مغلوب الغضب نہ ہو، غصے میں نہ ہو بلکہ اگر اصلاح کی خاطر سزا دینی ہو تو اس کو حق ہے)'' کہ کسی وقتِ مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے'' (یا اس کو معاف کر دے) مگر مغلوب الغضب اور سبک سر اور

طائش العقل ہر گز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔"

پھر فرمایا کہ:

"جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوز دل سے دعا کرنے کو ایک حزب ٹھہرا لیں اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے"۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 318۔جدید ایڈیشن)

بعض لوگ صرف اپنے بچوں تک ہی ربوبیت میں حصہ دار نہیں بنتے بلکہ دوسروں میں اور نظام میں بھی دخل اندازی کر کے اپنے آپ کو بالا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اب کل ہی یہاں مسجد میں ایک واقعہ ہوا ہے۔ وقفِ نو کی کلاس تھی اور کینیڈا والوں کی کلاس تھی واقفین نو کی۔ تو امریکہ سے ایک شخص اپنے بچے کے ساتھ آیا ہوا تھا اور زبردستی کوشش تھی کہ میرا بچہ بھی کلاس میں بیٹھے گا اور اس حد تک مغلوب الغضب ہو گیا کہ انتظامیہ سے بھی لڑائی شروع کر دی اور بچے کو بھی ڈانٹنا اور مارنا شروع کر دیا بلکہ بچے بیچارے کو غصے میں سیڑھیوں سے نیچے پھینک دیا۔ وہ تو شکر ہے کہ اس کو چوٹیں زیادہ نہیں لگیں اور غصے میں وہ شخص اتنی اونچی بول رہا تھا کہ باہر سے مسجد کے اندر تک آوازیں آ رہی تھیں۔ تو ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارا رب صرف ایک رب ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور تمہارے اس غصے سے تمہاری اس بد اخلاقی سے اور تو کچھ نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ تمہارے اپنے اخلاق ظاہر ہو جائیں کہ وہ کیا ہیں۔ اس لئے استغفار کرو ورنہ ایسے لوگ پھر یاد رکھیں کہ اگر اصلاح کی کوشش نہ کی تو خود ہی اپنی بربادی کے سامان کرتے رہیں گے اور اسی میں گر جائیں گے۔

ایک روایت ہے، حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کے ساتھ عزت سے پیش آؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔

(ابن ماجہ ابواب الادب باب برالوالد)

تو اپنے بچوں میں عزت نفس پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی عزت کی جائے اس کو آداب سکھائے جائیں اس کی ایسے رنگ میں تربیت ہو کہ وہ دوسروں کی بھی عزت اور احترام کرنے والا ہو۔ اس طرح نہ اس کی تربیت کریں کہ اس عزت کی وجہ سے جو آپ اس کی کر رہے ہیں وہ خودسر ہو جائے، بگڑنا شروع ہو جائے، اپنے آپ کو دوسروں سے بالا سمجھنے، دوسروں سے زیادہ سمجھنے لگ جائے اور دوسرے بچوں کو بھی اپنے سے کم تر سمجھے اور بڑوں کا احترام بھی اس کے دل میں نہ ہو۔ تو تربیت ایسے رنگ میں کی جانی چاہئے کہ اعلیٰ اخلاق بھی بچے کو ساتھ ساتھ آئیں۔ تو یہ صاحب بھی جو وقف نو بچے کے باپ ہیں اپنی بھی اصلاح کریں تبھی ان کا بچہ وقف نو کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو لڑکیوں کے ذریعہ آزمائش میں ڈالے اور وہ ان سے بہتر سلوک کرے وہ اس کے لئے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

(بخاری کتاب الادب)

تو دیکھیں کس قدر خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جن کی لڑکیاں ہیں۔ انسان تو گناہگار ہے ہزاروں لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے بھی قسم قسم کے راستے بخشش کے رکھے ہیں۔ تو لڑکیوں پر افسوس کرنے کی بجائے، جن کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں، ان کو شکر کرنا چاہئے اور ان کی نیک تربیت کرنی چاہئے اور ان کے لئے نیک نصیب کی دعا مانگنی چاہئے لیکن بعض دفعہ ایسے تکلیف دہ واقعات سامنے آتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی بیویوں کو صرف اس لئے طلاق دے دیتے ہیں کہ تمہارے ہاں صرف لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ تو خوف خدا کرنا چاہئے۔ کیا پتہ اگلی شادی میں بھی لڑکیاں ہی پیدا ہوں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

حضور رات کو نماز تہجد کی ادائیگی کے لئے اٹھتے اور عبادت کرتے تھے جب طلوع فجر میں تھوڑا سا وقت باقی رہ جاتا تو مجھے بھی جگاتے اور فرماتے تم بھی دو رکعت ادا کر لو۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوۃ خلق القائم)

تو مردوں کی ایک سربراہ کی حیثیت سے یہ بھی ذمہ داری ہے کہ متقی بننے اور متقی خاندان کا سربراہ بننے کے لئے خود بھی نمازوں کی پابندی کریں۔ رات کو اٹھیں یا کم از کم فجر کی نماز کے لئے تو ضرور اٹھیں، اپنی بیوی بچوں کو بھی اٹھائیں۔ جو گھر اس طرح عبادت گزار افراد سے بھرے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی برکات کو سمیٹنے والے ہوں گے۔ لیکن یاد رکھیں کہ کوشش بھی اس وقت بارآور ہوگی، اس وقت کامیابیاں ملیں گی کہ جب دعا کے ساتھ یہ کوشش کر رہے ہوں گے۔ صرف اٹھا کے اور ٹکریں مار کے نہیں بلکہ دعائیں بھی مسلسل کرتے رہیں اپنے لئے، اپنے بیوی بچوں کے لئے۔ اس لئے اپنی نمازوں میں بھی اپنی بیوی بچوں کے لئے بہت دعائیں کریں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ دعا سکھلائی ہے کہ

اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ

کہ میری بیوی بچوں کی اصلاح فرما

اپنی حالت کی پاک تبدیلی اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اکثر فتنے اولاد کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں اور اکثر بیوی کی وجہ سے۔ غرض ان کی وجہ سے بھی اکثر انسان پر مصائب شدائد آ جایا کرتے ہیں تو ان کی اصلاح کی طرف بھی پوری توجہ کرنی چاہئے اور ان کے واسطے بھی دعائیں کرتے رہنا چاہیئے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 456-457۔ جدید ایڈیشن)

پھر آپؑ نے فرمایا کہ:

میرا طریق کیا ہے کہ میں کس طرح دعائیں مانگا کرتا ہوں۔ فرمایا کہ مَیں التزاماً چند دعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں۔ پہلی یہ کہ اپنے نفس کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت و جلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔ دوسرے پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ العین عطا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں (یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلنے والے ہوں)۔ پھر تیسرے فرمایا کہ پھر مَیں اپنے بچوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خدام بنیں۔ پھر چوتھے فرمایا کہ میں اپنے مخلص دوستوں کے لئے نام بنام دعا کرتا ہوں۔ پھر پانچویں فرمایا پھر ان سب کے لئے جو اس سلسلے سے وابستہ ہیں خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 309۔ جدید ایڈیشن)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی معنوں میں اپنے حقوق و فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے بیوی بچوں کی طرف سے ہمارے لئے تسکین کے سامان پیدا فرمائے اور آنکھیں ٹھنڈی رکھے۔ اللہ کی عبادت کرنے والے ہوں اور نیکیوں پر قائم رہنے والے ہوں اور جب ہمارا اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا وقت آئے تو یہ تسلّی ہو کہ ہم اپنے پیچھے نیک اور دیندار اولاد چھوڑے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔

آج جلسہ سالانہ بھی شروع ہو رہا ہے بلکہ میرا خیال ہے اس خطبے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پروگراموں سے آپ سب کو بھی اور آپ کے بیوی بچوں کو بھی فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ جس مقصد کے لئے آپ آئے ہیں اس کو پورا کرنے والے ہوں۔ یعنی اپنی روحانیت کو مزید صیقل کرنے کے لئے، مزید بڑھانے کے لئے۔ ان دنوں میں خاص طور پر دعاؤں پر اور دُرود پر بہت زور دیں۔ اپنے اخلاق کے اعلیٰ نمونے دکھائیں، اپنے اندر برداشت کا مادہ پیدا کریں۔ ذرا ذرا سی بات پر غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انتظامیہ ہر وقت آپ کی خدمت پر مامور ہے۔ لیکن اگر کوئی چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہو جائیں تو صرفِ نظر کریں، معاف کرنے کی عادت ڈالیں۔ اللہ کی خاطر ان تین دنوں میں اگر تنگیاں برداشت کر بھی لیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اس کا اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت ملے گا۔ آپس میں محبت اور بھائی چارے کی مثالیں قائم کریں۔ اگر کچھ لوگوں کی آپس کی رنجشیں ہیں تو ان رنجشوں کو دور کریں، ایک دوسرے کو معاف کریں اور آپس میں ایک ہو جائیں۔ اللہ کرے کہ یہ جلسہ آپ سب کے لئے پہلے سے بڑھ کر روحانی تبدیلی لانے کا باعث بنے۔ آمین

......☆......☆......☆......

’’اے خدا دل کو میرے مزرعِ تقویٰ کر دیں‘‘

منظوم کلام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

اے خدا دل کو میرے مزرَعِ تقویٰ کر دیں
ہُوں اگر بد بھی تو تُو بھی مجھے اچھا کردیں

میری آنکھیں نہ ہٹیں آپ کے چہرہ سے کبھی
دل کو وارفتہ کریں محوِ تماشا کر دیں

دانہء سبحہ پراگندہ ہیں چاروں جانب
ہاتھ پر میرے انہیں آپ اکٹھا کر دیں

ساری دنیا کے پیاسوں کو کروں میں سیراب
چشمہء شور بھی ہوں گر مجھے میٹھا کر دیں

میں بھی اس سیّدِ بطحا کا غلامِ دَر ہوں
دَم سے روشن میرے بھی وادیٔ بطحا کر دیں

ٹیڑھے رستہ پہ چلے جاتے ہیں تیرے بندے
پھیر لائیں اُنہیں اور راہ کو سیدھا کر دیں

منتظر بیٹھے ہیں دروازہ پہ عاشق اے رَبّ
تھوک دیں غصہ کو دروازہ کو پھر وَا کر دیں

احمدی لوگ ہیں دنیا کی نگاہوں میں ذلیل
اُن کی عزّت کو بڑھائیں اُنہیں اُونچا کر دیں

میرے قدموں پہ کھڑے ہو کے تجھے دیکھیں لوگ
ربِّ ابرام مجھے اس کا مصلّےٰ کر دیں

مجھ سے کھویا ہوا ایمان مسلماں پالیں
ہُوں تو سفلی پہ مجھے آپ ثریّا کر دیں

لوگ بیتاب ہیں بے حد کہ نمونہ دیکھیں
سالکِ رہ کے لئے مجھ کو نمونہ کر دیں

مقصدِ خلق بَر آئے گا یہی تو ہوگا
اندھی دنیا کو اگر فضل سے بِینا کر دیں

ظلمتیں آپ کو سجتی نہیں میرے پیارے
پردے سب چاک کریں چہرہ کو ننگا کر دیں

اپنے ہاتھوں سے ہوئی ہے مِری صحّت برباد
میری بیماری کا اب آپ مداوٰی کر دیں

بارآور ہو جو ایسا کہ جہاں بھر کھائے
دل میں میرے وہ شجر خیر کا پیدا کر دیں

میں تہی دست ہوں رکھتا نہیں کچھ راسِ عمل
جو نہیں پاس مِرے آپ مہیّا کر دیں

بچوں کی تربیت کا چیلنج

ڈاکٹر ظفر وقار کاہلوں، ٹورانٹو، کینیڈا

علم و آگہی کے ارتقائی سفر میں سائنسی ترقیات اور ایجادات ہر شعبۂ زندگی میں آئے دن نت نئے انقلاب برپا کر رہی ہیں، طب و جراحت، طبعیات و کیمیا، ذرائع نقل و حمل، الیکٹرانکس انڈسٹری، مواصلات غرض ہر طرف تبدیلیوں کے سلسلے جاری ہیں جن کی بدولت مختلف قوموں اور مُلکوں کے مابین روزمرہ تجارتی، سیاسی اور معاشرتی تعلقات نے فاصلوں کو سمیٹ کر دُنیا کو ایک عالمی گاؤں (global village) میں تبدیل کر دیا ہے پھر مختلف مقاصد کے تحت اپنے مُلک چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں عارضی یا مستقل طور پہ جا بسنے کے رجحان بڑھتے جا رہے ہیں ان عوامل کے باعث مذہبی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی ڈھانچوں میں تبدیلیوں کی یلغار بپا ہے جس سے مثبت ثمرات کیساتھ معاشرے میں لامذہبیت اور اخلاقی بے رہروی بھی سرایت کر رہی ہے جبکہ والدین کی روزگار کے حصول کی تگ و دواُن کو حد درجہ مصروف رکھتی ہے اور وہ باوجود کوشش و خواہش کے بچوں کیلئے بہت کم وقت نکال پاتے ہیں۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی نے معلومات کا سیلاب برپا کر رکھا ہے جہاں اچھی بُری معلومات ہر چھوٹے بڑے کی دسترس میں ہیں جس سے بچوں کے ناپختہ ذہنوں کیلئے اردگرد کا ماحول دن بدن مزید پراگندہ اور خطرناک ہوتا جا رہا ہے خصوصاً اُن معاشروں میں جہاں جنسی لذات کی تسکین کو مقصدِ حیات بنالیا گیا ہو، شرم و حیا دن بدن مفقود ہو رہے ہوں، برائی کو بُرا گرداننے اور اسکی بیخ کنی کی کوشش کی بجائے برائی کا شعور بتدریج ختم کیا جا رہا ہو اور دجّالی شیطان طاقتوں نے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ پوری دُنیا میں بدی کی نمائش و تشہیر کے جال پھیلا رکھے ہوں۔ زیرِ نظر مضمون میں ان حالات کے تناظر میں احمدی والدین کیلئے بچوں کی تربیت کے ضمن میں بعض اُمور کا تذکرہ مقصود ہے۔

بچوں کی تربیت ایک جہاد ہے جس میں سُستی سنگین غلطی بلکہ بھیانک جرم ہے جو بچوں کو اخلاقی اور روحانی طور پہ قتل کرنے کے مترادف ہے، عدم تربیت یافتہ بچے جرائم پیشہ بن سکتے ہیں اور اپنے والدین کیلئے وبالِ جان بننے کے علاوہ دیگر شہریوں کا جینا بھی حرام کرتے ہوئے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا کرتے ہیں اِسی لئے اسلام اِسے قتلِ اولاد کے مترادف قرار دیتا ہے (بنی اسرائیل۔32)۔

آج کے دور میں بچوں کی تربیت کے مسائل کی نوعیت پہلے وقتوں سے بدل چکی ہے اور تربیت کے روایتی طریقوں کے علاوہ حالات اور مواقع کی مناسبت سے نئی حکمتِ عملی (strategy) ترتیب دینا اور اپنانا ضروری ہے جس کیلئے بہترین راہنمائی قرآن کریم، رسولِ کریم ﷺ کی احادیث، مسیح موعودؑ کی تحریرات اور نظام جماعتِ احمدیہ سے وابستگی سے مل سکتی ہے، احمدی والدین کو بچوں کی تربیت کو ایک چیلنج اور جہاد سمجھنا چاہیئے جس میں کامیابی کیلئے اوّلین شرط والدین کا بیدار مغز ہونا اور دل موہ لینے والا، دوستانہ اور منطقی (rational) نیک عملی نمونہ پیش کرنا ہے۔ اس جہاد میں جہاں ایک طرف بچوں کو لغویات سے بچانے کا مشکل محاذ ہے تو دوسری طرف انہیں مفید تعمیری سرگرمیوں میں مصروف رکھنے کا چیلنج ہے، بچوں کو اگر لغویات سے بچانے کی سرتوڑ کوشش کی جائے مگر مثبت سرگرمیوں میں نہ لگائیں تو خاطرخواہ کامیابی نہیں مل پاتی۔ دوسری طرف اگر بچوں کو تعمیری کاموں میں لگانے کے لاکھ جتن کریں لیکن لغویات اور منفی سرگرمیوں سے نہ بچائیں تو بھی ماحول کی شیطانی غلاظتیں اور خطرناک گندے وائرس بچوں کو تعمیری سرگرمیوں سے محروم رکھ کر اچھی تربیت ناممکن بنادیتے

ہیں لہٰذا دونوں محاذوں پہ ہمہ وقت توجہ رکھی جانی ازبس ضروری ہے۔

تربیت کے ابتدائی لوازمات

بچے کی تربیت کے ضمن میں اوّلین بات یہ ہے کہ بچہ صحت مند ہو اس کیلئے بچے کی ماں کا صحت مند ہونا بنیادی شرط ہے، ماں کی خراب صحت کیوجہ سے گھر کے کام کاج، خاوند اور دیگر افرادِ خانہ کیساتھ تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں اور میاں بیوی میں اُلفت و محبت کی پُرسکون فضا جو بچوں کی تربیت کیلئے کلیدی اہمیت کی حامل ہے میسر نہیں آپاتی۔ خاوند کی صحت خراب رہتی ہو تو بھی کئی مسائل جنم لیتے ہیں لہٰذا میاں بیوی کو طبائع کے چڑ چڑا پن، قوتِ برداشت کی کمی اور دیگر مسائل سے بچنے کی خاطر ایک دوسرے کی صحتوں کا بھرپور خیال رکھنا چاہئیے، بیمار ہونے پہ بعض دوائیں لینا ناگزیر ہو جاتا ہے جبکہ دورانِ حمل اکثر دوائیں بچے کیلئے نقصان دہ ہوا کرتی ہیں لہٰذا ماں کا حمل کے عرصہ میں بدپرہیزی اور بیماریوں سے دور رہنا نہایت اہم ہے خصوصاً بدہضمی اور قبض وغیرہ کو اس کیفیت میں معمولی نہیں سمجھنا چاہئیے، غذا کے علاوہ ماں کا جسمانی طور پہ فعّال رہنا اور خوشگوار مزاج بھی ضروری ہے اور زود ہضم متناسب غذا، مختلف پھل، سبزیاں، دودھ، دہی، گوشت، مچھلی، چھلکوں والی غذائیں تھوڑی تھوڑی مقدار میں چھوٹے وقفوں سے لینے کی عادت ڈالنی چاہئیے۔ بچے کی پیدائش کے بعد ماں کے جسم میں ہارمونز کی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں نیز نوزائیدہ بچے کی دیکھ بھال کی نئی ذمہ داری ساتھ مل کر اُسے ڈیپریشن میں مبتلا کر سکتی ہے خصوصاً اگر اس مرحلہ پہ کسی کی مدد میسر نہ ہو، خاوند کو بیوی کی جملہ اُمور میں مدد کرتے ہوئے اُسکا ہاتھ بٹانے کی ہرممکن کوشش کرنی چاہئیے۔ اس دور میں ماں کو بچے کے علاوہ اپنی خوراک اور نیندو آرام کا بھی بھرپور خیال رکھنا چاہئیے اور طبیعت میں مایوسی و بے چینی کے عناصر غالب ہوں تو ڈاکٹر سے رابطہ کرنا چاہئیے۔ بچوں کی تربیت کیلئے درکار خوشگوار گھریلو ماحول کیلئے اچھی صحت کے علاوہ میاں بیوی کا روزمرّہ اُمور میں ایک دوسرے کیلئے ہرممکن خوشیاں مہیا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے جس میں خاوند کا مرکزی کردار ہوتا ہے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ کا ارشاد ہے:

"تم میں سب سے اچھا مرد وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی بچوں) سے اچھا ہے"

(سننن ترمذی کتاب نکاح باب حق المراة علی زوجھا)

دوسری طرف بیوی کو بھی خاوند کی اطاعت گزاری کرتے ہوئے جملہ اُمور میں خوشگوار خانگی تعلقات کیلئے بھرپور کردار ادا کرنا چاہئیے جو اُس کیلئے عبادت کا درجہ رکھتا ہے، مزید براں بیوی کو خاوند کی پیشہ ورانہ زندگی میں دلچسپی لیتے ہوئے اُسکی معاون و مددگار بن کر گھر کے مالی حالات مستحکم کرنے میں بھی بھرپور ساتھ دینا چاہئیے۔

متوازن غذا

بچے کیلئے ماں کے دودھ کا کوئی نعم البدل دُنیا میں نہیں، بعض مائیں کم علمی کی بنأ پہ نوزائیدہ بچے کو اپنے دودھ کی بجائے دُوسرا دودھ پلانے کو ترجیح دیتی ہیں جو کئی لحاظ سے نقصان دہ ہوتا ہے جبکہ بچے کو دودھ پلانا بچے کے علاوہ ماں کو بھی کئی خطرناک بیماریوں سے بچاتا، صحت کی بھرپور حفاظت کرتا، ماں بچے میں پیار کا رشتہ مضبوط اور گہرا کرتا، مالی لحاظ سے بچت اور دیگر کئی فوائد کا باعث ہوتا ہے، جب بچہ ماں کا دودھ لیتا ہو تو ماں کی خوراک اُسی نسبت سے زیادہ ہونی چاہئیے، ماں کی خوراک کا بچے پہ دُودھ کی وجہ سے فوری اثر پڑتا ہے لہٰذا ماں کو اپنی طبیعت کے لحاظ سے طیّب غذا لینی چاہئیے، ذرا بڑے ہونے پہ بچوں کو صحت بخش اور سادہ غذا کی عادت ڈالنی چاہئیے چٹ پٹی ٹافیوں، جنک فوڈ (برگر فرائز وغیرہ)، سافٹ ڈرنکس (سوڈا کوک وغیرہ) اور کیک بسکٹ کی بجائے سلاد، سبزیوں، موسمی پھل، خشک میوہ جات، دودھ دہی وغیرہ۔ یہ عادت بچوں کو جسمانی، ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے دوررس فوائد پہنچاتی ہے، تازہ سبزیاں اور پھل نہ صرف صحت کو بہتر بناتے ہیں بلکہ بیماریوں کیخلاف جسم کا دفاع بھی مضبوط کرتے ہیں، ٹن پیک شدہ (preserved) اشیاء سے ہرممکن اجتناب کرنا چاہئیے کیونکہ اُن میں مضرِصحت اجزا ہوتے ہیں۔

خوراک میں اعتدال رکھنا چاہئیے، بعض والدین بچوں کو زیادہ اور غیر متوازن غذا کھلا کر موٹاپے میں مبتلا کر دیتے ہیں جو غذا کے نقصان کے علاوہ صحت کے نقصان کا باعث بھی بنتا ہے، ایسے بچے کئی امراض کا شکار بنتے ہیں مثلاً دل کی بیماریاں، بلڈ پریشر، جوڑوں کا درد، ذیابیطس اسکے علاوہ ان بچوں کی

پڑھائی، کھیل اور تربیت پہ بھی منفی اثر پڑتا ہے۔ سیدنا مسیحِ پاکؑ کی معرکۃ الآرا کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" میں غذاؤں کے اخلاقیات پہ اثرات پہ روشنی ڈالی گئی ہے دیگر کتب کے علاوہ اِس کتاب کو خصوصاً زیرِ مطالعہ رکھنا چاہیئے۔

احتیاطی تدابیر اور دیگر متعلقہ اُمور

بچے کو ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق وقفوں سے دودھ پلانا چاہیئے، جب بھی بچہ روئے تو دودھ پلا کر خاموش کرانے کی کوشش غلط حکمتِ عملی ہے بلکہ رونے کی وجہ معلوم کرنی چاہیئے، بچے کو شروع ہی سے اسلامی تعلیم کے مطابق صفائی کا عملی درس دینا چاہیئے کوئی چیز کھانے کو دی جائے اور وہ زمین پہ گر جائے تو ہر دفعہ دھو کر دینی چاہیئے، روزمرّہ کی صحت کی معمولی شکایات زکام، بخار وغیرہ (flu fever etc) پہ بچوں کو فوراً دوا دینے سے پرہیز کرنا چاہیئے، جب تک بچہ کھیل کود، کھانے پینے اور سونے میں عام معمول کے مطابق ہو اُسے دوا کی ضرورت نہیں ہوتی اور دوا کے بغیر بچے کے دفاعی نظام کو بیماریوں کے خلاف متحرک ہونے کا موقع دیا جانا چاہیئے۔ بعض والدین ایلوپیتھک دوائیں جو میڈیکل اسٹور میں کاؤنٹر سے مل جاتی ہیں بچوں کو معمولی شکایت پہ از خود کھلا دیتے ہیں جن کے بچے پہ مضر اثرات پڑتے ہیں خصوصاً اعصابی اور بیماریوں کے خلاف مدافعت کے نظام متاثر ہوتے ہیں، بعض لوگ ہومیوپیتھک دواؤں کے بہت گرویدہ ہوتے ہیں وہ اپنی یا کسی نیم حکیم کی رائے کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ ان دواؤں کے مضر اثرات نہیں ہوتے جو کہ سراسر غلط ہے ان دواؤں کے بچے کی جسمانی اور ذہنی نشوونما پہ دوررس مضر اثرات پڑ سکتے ہیں، اگر بچے کی طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر سے مشورہ لیکر دوا دینی چاہیئے۔

تھوڑا بڑا ہونے پہ بچہ رینگنا (crawling) شروع کرتا ہے تو اُسکی دیکھ بھال کی ضرورت بہت بڑھ جاتی ہے، اس مرحلہ پہ ایسی اشیاء جن سے بچہ خود کو نقصان پہنچا سکتا ہو وہ اُسکی پہنچ میں نہیں رہنی چاہئیں مثلاً برتن دھونے، صفائی کرنے والے کیمیکل، ایلوپیتھک، ہومیوپیتھک اور دیگر دوائیں، بجلی کا سامان، شیشے، چینی کے ڈیکوریشن پیسز، برتن، قینچی، چھری، پیچ کس، ہتھوڑی اور دیگر ایسے آلات جن سے بچہ خود کو، چھوٹے بہن بھائی کو یا کسی چیز کو نقصان پہنچا سکتا ہو، یعنی ایک طور سے گھر کو چائلڈ پروف بنا دینا چاہیئے جبکہ ابتدائی طبی امداد، مرہم پٹی وغیرہ کا سامان گھر میں ضرور رکھنا چاہیئے چونکہ زخم یا چوٹ آنا عام بات ہوتی ہے۔ اس عمر میں بچہ بعض دفعہ توجہ حاصل کرنے کیلئے بلاوجہ رونا شروع کر دیتا ہے ایسے میں اُسے توجہ دینا ضروری ہوتا ہے، اگر وہ کسی نامناسب چیز لینے کی ضد کرے تو اسکی توجہ کسی اور طرف پھیر دینے سے مسئلہ حل ہوسکتا ہے بچے کو ڈرا اور مار پیٹ کر سدھارنے کا خیال غلط اور احمقانہ ہے اس ضمن میں مسیحِ پاکؑ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے''
(ملفوظات جلد 2، صفحہ 4)

بچپن میں بچے کو بہت زیادہ ورزش اور کھیل کود کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس عمر میں بچے میں توانائی غیر معمولی طور پہ زیادہ ہوتی ہے کھیل کود کا پورا موقع نہ ملے تو بچہ طوفان بپا کئے رکھتا ہے اور والدین کیلئے سخت مصیبت بنتا ہے لیکن اگر ورزش کا بھرپور موقع مل جائے تو بچہ تھک کر آرام سے سو جاتا ہے اس دوران بچے کی ماں کو سو کر یا کم از کم لیٹ کر آرام کر لینا چاہیئے ایسا کرنے سے کمر درد اور دیگر کئی بیماریوں کا تدارک کیا جاسکتا ہے، ماں کو چاہیئے کہ بچے کو روزانہ غسل دیا کرے اور خود بھی روزانہ یا ایک دن چھوڑ کر غسل لیا کرے، اس سے نیند بہتر آتی ہے اور انسان تازہ دم ہو جاتا ہے، اکثر بچے اس عمر میں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو مارتے اور گراتے ہیں کیونکہ والدین کا چھوٹے بہن بھائیوں کو توجہ دینا اِن کیلئے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے ان بچوں پہ سختی کرنے کی بجائے اُن کو زیادہ توجہ دینی چاہیئے اور چھوٹے بچوں کو اُن کی دست بُرد سے بچانا چاہیئے یہ کیفیت چند مہینوں میں ٹھیک ہو جاتی ہے، جب بچہ کافی حد تک بولنا شروع کر دیتا ہے تو اس عمر میں بچہ عموماً ہر چیز کے بارہ میں سوال کرتا ہے ایسے میں بچے کو ڈرا دھمکا کر چپ کرانا غلط ہوتا ہے بلکہ بچے کو بتانا اور سکھانا چاہیئے اور سکول جانے سے قبل بچے کو نماز، قرآن کریم، مختلف دعائیں اور اُردو زبان سکھانا اور سکول میں پڑھائی جانے والی ابتدائی کتب پڑھانی شروع کر دینی چاہئیں، بچہ کسی چیز کی ضد کرے تو کبھی دے دینے اور کبھی نہ دینے سے بچے میں 'نہ' کو براداشت کرنیکی عادت پیدا کرنی چاہیئے، اگر والد یا گھر کا کوئی فرد بچے کو اُسکی کسی غلطی پہ سرزنش کرے تو کسی کو بھی اس میں روک

نہیں بننا چاہیئے بلکہ مناسب ہوتو سرزنش کرنے والے کی تائید کرنی چاہیئے ،بعض گھروں میں ماں یا دادی وغیرہ بظاہر محبت میں بچوں کی بیجا طرفداری کر کے ان کو بگاڑ رہی ہوتی ہیں جو کہ غلط ہے۔اس کے برعکس ایسے بچوں کو علیحدگی میں سمجھانا چاہیئے۔

سکول کی پڑھائی کا دور

دیکھا گیا ہے کہ جو والدین بچوں کی سکول کی پڑھائی اور دیگر مصروفیات پہ نظر رکھتے ہوئے مسلسل اُنکی مدد اور راہنمائی کرتے ہیں اُنکے بچے بہترین کارکردگی دکھاتے ہیں۔بچہ جب سکول جانا شروع کرتا ہے تو بعض والدین ناسمجھی سے سُکھ کا سانس لیتے ہوئے بچے کو بہت کم وقت دینا شروع کر دیتے ہیں اسوجہ سے بچہ بغیر کسی تخصیص کے سکول اور محلّہ کے ہم جولیوں کیساتھ دوستی بنالیتا ہے جو اُس کیلئے خطرناک ہوسکتی ہے،والدین کو چاہیئے کہ بچے سے روزمرّہ تعلق کم کرنے کی بجائے بتدریج مزید مضبوط بنائیں اور باقاعدگی سے سکول میں سارے دن کی مصروفیات اور ٹیچرز کے پڑھانے کے بارہ میں تفصیل سے پوچھا کریں،گھر میں بچے کیلئے پڑھائی کا وقت (study time)مخصوص ہو جس کیلئے مناسب جگہ مقرر ہو اور بچہ سب سے پہلے ہوم ورک اور اُس دن کی جانے والی پڑھائی دُھرائے اُسکے بعد کھیل کی اجازت دی جائے ، بچے کے سکول کے اساتذہ سے باقاعدہ قریبی رابطہ رکھا جائے اور لکھ کر اور فون کے ذریعہ بچے کی کارکردگی اور کمزوریوں کا پوچھا جائے۔بعض ملکوں میں ٹیچرز سکول میں بچوں سے اُن کے والدین سے تعلق اور روزمرّہ سلوک کے بارہ میں بے جا کریدتے رہتے ہیں اور اگر کبھی والدین نے بچے کو کسی غلطی پہ معمولی بدنی سزا دی ہو تو والدین سے بات کرنے کی بجائے بچوں کو پولیس کو فون کرنے کا درس دیتے ہیں،اسوجہ سے بعض بچے اپنے والدین سے متنفر ہو جاتے ہیں خصوصاً وہ بچے جن کے والدین اُنہیں کماحقہ وقت نہ دے پا رہے ہوں یا والدین میں باہمی چپقلش رہتی ہو۔

راہنمائی ، مدد ، حوصلہ افزائی

والدین کو بچے کی سکول، محلے اور رشتہ داروں میں سے ہم عمر دوستوں کے انتخاب میں راہنمائی اور مدد کرنی چاہیئے۔اُنہیں ہمیشہ بچے کے تمام دوستوں کا علم ہونا چاہیئے اور بچے کو پڑھائی یا ہوم ورک میں مدد کی غرض سے دوستوں کے گھر میں نہیں جانے دینا چاہیئے کیونکہ بظاہر اچھے دوستوں کے توسط سے قباحتیں جنم لے سکتی ہیں۔پڑھائی میں بچے کی ہر مرحلہ پہ حوصلہ افزائی انعام دیکر کرنی چاہیئے اس سے بچہ پڑھائی میں حیرت انگیز ترقی کرسکتا ہے،سکول کے ہوم ورک اور دیگر پڑھائی میں والدین کو بچے کی راہنمائی اور مدد کرنی چاہیئے لیکن یہ اس انداز سے نہ ہو کہ بچہ مکمل طور پر اُنہی پر انحصار کرنے لگے اور اسکے بغیر دو قدم بھی نہ چل سکے، پڑھائی میں جو مضامین بچے کو نسبتاً مشکل یا خشک (boring) محسوس ہوں اُن میں دلچسپی اور بہتری لانے کیلئے بچے کو اُن کیلئے درکار طریقہ کار اور نسبتاً زیادہ وقت مختص ہو اور اُن کی اہمیت اور فوائد سے آگاہ کیا جائے دوسری طرف بچے کیلئے جو مضامین آسان ہوں اُن میں بچہ پوری دلچسپی لیتا رہے تا اُن میں کمزوری نہ آئے آسان مضامین بچے کے گریڈز کو بہتر بنانے میں مدد کرتے ہیں،والدین کو گاہے بگاہے پڑھائی میں ٹیسٹ بھی لیتے رہنا چاہیئے۔پڑھائی کے علاوہ بچے میں مختلف کھیلوں اور تقاریر کی مہارت بھی پیدا کرنی چاہیئے۔

بچوں کے ساتھ والدین کو روزانہ کُچھ وقت ضرور گزارنا چاہیئے اور بچوں کی عمر کے لحاظ سے اُنکی کھیلوں میں شامل ہونا چاہیئے۔بچوں کو کسی بات سے منع کرنا ہو یا کرنے کا کہنا ہو تو اسکی وجہ بتانی چاہیئے ، فیصلہ ٹھونسنے سے بُرے نتائج نکلتے ہیں، بچے کو سکول کے زمانے سے ہی بعض باتوں میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار دینا چاہیئے مثلاً بچے کے کمرے میں فرنیچر وغیرہ کی ترتیب، بچے کے جوتوں اور کپڑوں کا انتخاب، اسکے علاوہ گھریلو اُمور میں جب کوئی فیصلہ کرنا ہو تو بچے کو بھی مشورہ میں شامل کرنا چاہیئے اور حتمی فیصلہ کرنے پہ اُسکی وجہ، فوائد، ممکنہ نقصانات بتانے چاہئیں اور دیگر متبادلات (alternative options) کے نقصانات اور فوائد بھی بتانے چاہئیں اس طرح بچہ تمام اُمور میں دلچسپی لیتا ہے اور اُس کا علم بڑھنے کے علاوہ اُسکے والدین پہ اعتماد اور تعلق میں مضبوطی آتی ہے ان جملہ اُمور سے بچے میں خود اعتمادی، ذمہ داری اور فیصلہ کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے بصورتِ دیگر بچہ کانہ ذہنیت سے نکلنا محال ہو جاتا ہے۔بچے میں اس بات کی عادت اور صلاحیت پیدا کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی پڑھائی میں مدد کر سکے اس سے بچے کی تعلیمی استعداد بڑھنے کے علاوہ بچے میں خود اعتمادی بھی بڑھتی ہے۔بچے کے علمی و جسمانی میدانوں میں کامیابی

کے میڈلز اور اسناد وغیرہ گھر میں نمایاں جگہ پہ آویزاں کرنے سے بچوں میں مزید محنت اور مقابلہ کی اُمنگ بیدار ہوتی ہے۔

نظم وضبط اور متوازن شیڈول

بچے کو سکول کی پڑھائی میں نمایاں کارکردگی دکھانے کیلئے ایک اہم شرط یہ ہے کہ بچہ پوری طرح منظّم (Organized) ہو اور ایک متناسب، متوازن اور مربوط ٹائم ٹیبل کے مطابق اپنا شیڈول ترتیب دیتے ہوئے اس پہ باقاعدگی سے عمل کرتا ہو، اس ٹائم ٹیبل کی ایک کاپی بچے کے کمرے میں آویزاں ہو، ایک بچے کی جیب میں اور ایک والدین کے پاس ہو، موسم اور حالات کے مطابق بچے سے اس میں باہم مشورہ سے تبدیلی کراتے رہنا چاہیئے۔ اسکے علاوہ عام معمول سے ہٹ کر کوئی اہم کام کسی دن ہو تو بچے کو عادت ڈالیں کہ وہ الگ کاغذ پہ لکھ کر اپنی جیب میں اور اپنے سٹڈی ٹیبل پہ رکھ لیا کرے۔ بچوں کو سکھانا چاہیئے کہ وہ سکول سے آنے پہ فوراً اپنا لباس بدلیں، جرابیں جوتے مقررہ جگہ پہ رکھیں۔ گرمیوں میں عشاءؔ کی نماز کے بعد یہ اُصول ہو کہ کوئی بات نہیں کرنی اور سو جانا ہے اور صبح فجر کی نماز پہ اُٹھ کر تلات کرنے کے بعد سیر کرنے جانا ہے جبکہ سردیوں میں عشاءؔ کی نماز کے بعد پڑھائی کیلئے کچھ وقت مقرر کرنا چاہیئے۔ بچوں کو ہمیشہ صاف ستھرا شریفانہ لباس پہنانا چاہیئے اور لباس کے بارہ میں نفاست اور سادگی سکھانی چاہیئے۔ بعض بچے اپنے سکول کے ساتھیوں سے متاثر ہو کر غیر مہذب لباس (loose and extra-long jeans) وغیرہ کی طرف راغب ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض اپنی گفتگو اور طرزِ بیان میں بھی یہ غیر مہذب طریق وغیرہ اپنانے کی کوشش کرتے ہیں ایسی باتوں پہ ہمیشہ والدین کی نظر رہنی چاہیئے کیونکہ معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دینا خطرناک نتائج کا پیش خیمہ بن سکتا ہے، بعض والدین اپنے پیار کا اظہار کرنے کیلئے بچوں کو بچپن سے ہی رقم دینا شروع کر دیتے ہیں اس سے احتراز کرنا چاہیئے، جب ضرورت پڑے تو صرف اُسی قدر رقم دینی چاہیئے ورنہ بچہ آوارگی اور مضرِ صحت چیزوں کا عادی بن سکتا ہے، سکول کیلئے گھر سے لنچ دینا چاہیئے جو کم خرچ ہونے کے علاوہ صحت کیلئے بھی مفید ہوتا ہے جبکہ بصورتِ دیگر بچہ مضرِ صحت بازاری کھانوں اور مشروبات (junk food & soft drinks) وغیرہ کا رسیا بن سکتا ہے۔ بچہ جب سکول جانا شروع کرے تو پڑھائی کے وجہ سے نمازوں میں سستی نہیں آنی چاہیئے اگر کبھی ادائیگی نماز لیٹ ہو جائے تو بچہ قضا نماز پڑھے لیکن حتی الوسع بروقت نماز پڑھنے کا عادی ہو، نماز کے معاملے میں سختی برتنے کی بجائے نماز کی حکمت، ضرورت اور فوائد بتا کر عادی بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے تا یہ عادت زندگی میں دوام اختیار کر سکے اور بچہ اللہ تعالیٰ پہ توکل کرنیوالا ہو جو ہر چھوٹی بڑی ضرورت کیلئے دعا کرنے کا عادی ہو۔ یہ تمام اُمور سکھانے کے ضمن میں والدین کا اپنا عملی نمونہ کلیدی اہمیت رکھتا ہے اگر والدین کے قول و فعل میں تضاد ہو گا تو بچوں پہ کہنے کا اثر نہیں ہو گا اور والدین کے بارہ میں غلط تاثر قائم ہو گا۔

کارٹون، ویڈیو گیمز، کمپیوٹر، موبائل فون

بعض والدین کارٹون اور ویڈیو کھیلوں کو بے ضرر خیال کرتے ہوئے بچوں کو ان میں مشغول کر کے گلو خلاصی کی کوشش کرتے ہیں جو ایک خطرناک حرکت ہے ان فضولیات سے بچوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔ جدید تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ یہ نہ صرف بچوں کو پڑھائی میں کمزور کر دیتی ہیں بلکہ بچوں کو جسمانی اور اخلاقی طور پہ ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتی ہیں، ان کی بجائے جس قدر ممکن ہو والدین کو چاہیئے کہ بچوں کو وقت دیا کریں، ساتھ بٹھا کر اُنکے لحاظ سے مناسب ٹی وی پروگرام دکھائیں، لغو اور بیہودہ پروگرام بچوں پہ بہت جلد منفی اثر ڈالتے ہیں ان سے بچنا اور بچوں کو بچانا ضروری ہے۔

بوقتِ ضرورت بچوں کو کمپیوٹر استعمال کرانا چاہیئے لیکن اپنی موجودگی میں اور اپنے کمرے یا ڈرائینگ روم میں سب کی موجودگی میں، رات گئے جب باقی گھر والے سو رہے ہوں کمپیوٹر استعمال کی اجازت نہیں دینی چاہیئے اور نہ ہی دوسروں کے گھروں میں کمپیوٹر استعمال کی غرض سے جانے دینا چاہیئے، بچوں کو خود ای میل اکاؤنٹ کھول کر دینا چاہیئے جس کا پاس ورڈ والدین کو معلوم ہو اور والدین کے ای میلز کے پاس ورڈ بچوں کو معلوم ہو ں، بچوں کو ویب پہ (chating) سے اجتناب کرانا چاہیئے لیکن انداز زبردستی والا نہ ہو، اگر اجازت دینی پڑے تو اپنے جاننے والوں تک محدود ہو۔ موبائل فون کے بیشک کئی فوائد ہیں لیکن بچوں کی ذہنی ناپختگی کی عمر میں موبائل فون کے نقصانات فوائد کے مقابل زیادہ ہو سکتے ہیں کیونکہ بچے لغو وضرررساں مصروفیات اور دوستیوں میں پڑ

کر پڑھائی اور اخلاقیات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں لہٰذا بچوں کے اپنے ذاتی موبائل فون کی بجائے جب ضرورت ہو والدین اپنا موبائل فون بچوں کو دے سکتے ہیں۔

بداخلاق بچوں کی صحبت سے بچانا

بچہ جب بڑا ہو کر ایسے سکولوں میں جانا شروع کرتا ہے جہاں لڑکپن کی عمر (teen age) کے بچے ہوتے ہیں تو بعض دفعہ وہاں غنڈا گردی کی طرف مائل طلباء کے گروہ ہوتے ہیں جو اکیلے کمزور طلباءً کو مار پیٹ کر ہنسی مذاق اور اپنا رعب جمانے کا شوق فرماتے ہیں وہ عموماً سگریٹ نوشی، منشیات اور اسلحہ کے دھندوں میں بھی ملوث ہوتے ہیں۔ بچے کو ایسے گروہوں سے خبردار کرتے ہوئے اُن میں شامل ہونے سے بچانے کے علاوہ اُن کے شر سے بچانے کی حکمت عملی بھی سکھانی چاہیئے۔ اوّلین علاج اُن سے دور رہنا ہے بچے کو چاہیئے کہ وہ اُن کو دیکھ کر دور ہی سے اپنا رستہ بدل لیا کرے اگر کبھی اتفاقاً سامنا ہو جائے اور وہ تمسخر اور طنز کریں تو جوابی تمسخر یا دفاع کرنے کی بجائے ہنسی میں ٹالتے ہوئے نظر انداز کر دے اور مناسب طریق سے اُن سے علیحدگی اختیار کر لے، جم وغیرہ میں جہاں ایسے غنڈا گرد عناصر ہوں وہ جگہ چھوڑ دے یا کسی ایسے وقت کا انتخاب کرے جب وہ موجود نہ ہوں، سکول میں تنہائی کی بجائے اچھے دوستوں کے ساتھ رہے اور کبھی کوئی مسئلہ پیش آئے تو والدین کو بتائے۔ کئی بظاہر اچھے لڑکے جو عموماً لڑائی دھندوں سے تو دور رہتے ہیں مگر وہ دیگر اخلاقی برائیوں مثلاً فحش مواد والی انٹرنیٹ سائیٹ اور رسالوں کے گرویدہ ہوتے ہیں بچوں کو اُن کی صحبت سے بچانا بھی ضروری ہے ایسے شیطانی کاموں میں کشش ہوتی ہے لہٰذا ہمہ وقت بچوں کی تربیت پہ نظر رہنی ضروری ہے۔ بچوں کی عمر کا 10 سے 20 سال کے درمیان کا عرصہ بہت نازک ہوتا ہے اور معمولی لاپرواہی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے اس عمر میں کئی بچے ناراض ہو کر گھر سے نکل جاتے ہیں اور بُری صحبت کا شکار ہو کر اپنا مستقبل برباد کر بیٹھتے ہیں۔

صحبت صالحین

ماحول اور صحبت ہر عمر کے شخص پہ براہِ راست اثر ڈالتے ہیں مشہور مثل ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے یہ مثل سب پہ صادق آتی ہے دیکھا گیا ہے کہ کئی اچھے خاصے صاحبِ اخلاق بالغ و باشعور افراد مغربی ممالک میں آنے کے بعد یہاں کی مادّیت پرستی میں رنگے جاتے ہیں اور مہمان نوازی، رشتہ داروں، دوستوں کے حقوق اور دیگر ایسے اخلاقِ حسنہ سے تہی دست ہو جاتے ہیں حالانکہ اپنے مُلک میں وہ ان اخلاقِ حسنہ سے خوب مزیّن تھے، جہاں تک بچوں کا تعلق ہے وہ بڑوں کی نسبت اپنے ماحول اور ساتھیوں سے زیادہ گہرا اور دیرپا اثر لیتے ہیں اور یہ عناصر اُن کی شخصیت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، نیک صالح لوگوں کی صحبت ماحول کے زنگ دور کر کے مصفّٰی و مطہر بنانے کی صلاحیت اور بچوں کی کایا پلٹ دینے کی تاثیر رکھتی ہے۔ اس ضمن میں سب احمدی والدین کیلئے خلیفہء وقت کی بابرکت صحبت سے بچوں کو فیضیاب کراتے رہنا اوّلین ترجیح ہونی چاہیئے، بچوں کی جب ممکن ہو خلیفۂ وقت سے ملاقات اور کم از کم ہر ماہ اُن کی خدمت میں دعائیہ خطوط کے ذریعہ ایک مضبوط تعلق پیدا کرانا چاہیئے۔ اسکے علاوہ کوشش کرنی چاہیئے کہ بچوں کو کم از کم مہینے دو مہینے بعد نمایاں دینی و دُنیوی ممتاز شخصیات سے متعارف کرایا جاتا رہے اور وہ کُچھ وقت اُن کی صحبت میں گزاریں، اِن سکالرز سے بچوں کا ذاتی تعلق خط اور ٹیلی فون کی وساطت سے اپنی راہنمائی میں استوار کرانا چاہیئے، بچے کی سکول، محلے اور جماعت کے اچھے بااخلاق بچوں سے دوستی بھی اُس پہ مفید اثر ڈالتی ہے۔

صحبتِ صالحین کے دیگر ذرائع میں سکول کی پڑھائی کے علاوہ بچے کی عمر کی مناسبت سے مفید مذہبی اور علمی کتابیں جیسے مسیحِ پاکؑ، خلفائے احمدیت، دیگر علمائے سلسلہ کی کتب نیز جماعتی رسائل و اخبارات بچے کو مہیا کریں اور روزمرہ معمول میں جس قدر ممکن ہو پڑھائیں مگر سردیوں، گرمیوں اور دیگر چھٹیوں میں یہ کتب خاص اہتمام سے پڑھانی چاہئیں اور پڑھ لینے پہ ٹیسٹ لے کر اچھی کارکردگی پہ بچے کو انعام دیں بصورتِ دیگر دوبارہ پڑھے۔ اگر بچہ ان چھٹیوں میں بالکل فارغ رہے یا انٹرنیٹ کی مخربِ اخلاق لغویات میں پڑ جائے تو بچے کی پڑھائی اور تربیت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے، نیز اگر والدین لغوٹی وی ڈرامے، فلمیں وغیرہ دیکھنے میں انہماک رکھتے ہوں تو بھی بچوں پہ اس بدصحبت کا منفی اثر پڑ سکتا ہے پھر ریسلنگ، مار دھاڑ اور پُرتشدد پروگرام وغیرہ

سب بیہودگیاں ہیں جن سے بچوں کو بچانا ازبس ضروری ہے، ان فضولیات کی بجائے مفید اور مثبت کاموں میں وقت صرف ہونا چاہیئے۔

ایم ٹی اے صحبتِ صالحین کا بہترین ذریعہ ہے اس سے استفادہ نہ کرنا کفرانِ نعمت بلکہ ظُلمِ عظیم ہے۔ بچوں کا پڑھائی کے زمانہ میں ملازمت کرنا نامناسب ہے بعض والدین گرمیوں سردیوں کی چھٹیوں میں اور بعض ہفتے اتوار کی چھٹی میں بھی بچوں کو ملازمت کراتے یا کرنے دیتے ہیں۔ ملازمت کیوجہ سے بچے ذہنی ناپختگی کی عمر میں بدصحبت اور جیب میں رقم آنے سے بگڑ جاتے ہیں اور گندی عادتوں کا شکار ہوکر والدین اور خود اپنے لئے مسائل پیدا کر لیتے ہیں۔ تربیت کیلئے مناسبِ حال رفاہی کام volunteer work کرنا مفید ہوتا ہے اس ضمن میں جماعتی ڈیوٹیاں بہت مفید رہتی ہیں۔

بچپن میں بچوں کو کہانیاں سننے کا بہت شوق اور لگن ہوتی ہے جس کیلئے رات کو سونے سے پہلے کا وقت مناسب ہوتا ہے۔ اگر کہانی کے انداز میں بچوں کو سبق آموز واقعات سنائے جائیں تو ان کا دوررس اثر ہوسکتا ہے۔ اس کیلئے قُرآن کریم میں بیان شدہ واقعات ایک زبردست منبع ہیں پھر تاریخِ اسلام کے اوّلین دور کے بے شمار واقعات ہیں اسی طرح سیدنا حضرت مسیح موعودؑ، خلفا اور صحابہ کے دور کے واقعات ہیں اس کے علاوہ بچے کو اپنے والد اور والدہ کی خاندانی تاریخ، جماعت کیلئے خدمات کے ایمان افروز واقعات بھی سنانے چاہئیں نیز مختلف مواقع پہ کی جانے والی دعائیں ترجمہ کیساتھ سکھا کر اُنکی قبولیت کے واقعات بھی سنانے چاہئیں۔

پڑھائی میں مناسب شعبہ اختیار کرنے میں راہنمائی

پرانے وقتوں میں علم کا حصول عموماً علم و معرفت اور اخلاقیات سیکھنے کی غرض سے کیا جاتا تھا اور صاحبِ علم افراد بیک وقت کئی شعبوں میں ماہر ہوا کرتے تھے جبکہ روزگار کا حصول مختلف نوعیت کے کاموں سے وابستہ ہوتا تھا۔ مگر موجودہ زمانہ میں روزگار کا حصول تعلیم سے منسلک ہو چکا ہے جہاں ایک فرد کسی ایک شعبہ کی محض ایک شاخ میں کسی قدر علم حاصل کر پاتا ہے اور علم حاصل کر لینے کے بعد اُسے روزگار کیلئے سخت مقابلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا بچوں میں بھرپور اعتماد اور ذمہ داری پیدا کرتے ہوئے اُنہیں اس مشکل چیلنج کیلئے تیار کرنا چاہیئے اور بچوں کے فطری رجحانات اور مارکیٹ ڈیمانڈ کو مدّنظر رکھتے ہوئے بچوں کو پڑھائی میں ایسے شعبوں کی طرف راہنمائی کرنی چاہیئے جن میں مستقبل میں ترقی کے امکانات زیادہ ہوں، بچے ان میں بھرپور دلچسپی لیتے ہوں اور باعزت اور پُروقار روزگار کما سکیں، اس کیلئے مخلص صاحبِ علم افراد سے بچوں کو استفادہ کرانا چاہیئے۔ نظامِ جماعت اس سلسلہ میں بہترین ذریعہ ہے جو بچوں کی احسن رنگ میں راہنمائی کرسکتا ہے۔ کوشش ہونی چاہیئے کہ بچوں میں شعبے اختیار کرنے میں تنوع ہو، ایک بچہ ڈاکٹر بنے تو دوسرے دیگر شعبہ جات اختیار کریں مثلاً تجارت، ٹیچنگ، بینکنگ، وکالت، زراعت، فارمیسی، نرسنگ، میڈیکل، ٹیکنالوجی، ریفریجریشن، پلمبنگ، آٹو مکینک وغیرہ۔ بچوں کو حکمت سے مختلف شعبوں کی طرف راغب کرنا چاہیئے مگر فیصلہ بچوں پہ چھوڑنا چاہیئے ورنہ بعض بچوں کو عمر بھر پچھتاوا رہتا ہے۔

کالج، یونیورسٹی، پیشہ وارانہ سٹڈیز

اسکول کی پڑھائی کے بعد بچے تقریباً جوان ہو چکے ہوتے ہیں، اب اُنہوں نے مزید اعلیٰ تعلیم یا کسی پروفیشنل شعبہ کو اختیار کرنا ہوتا ہے اس دور میں وہ بالغ و باشعور ہوتے ہیں لہٰذا روزمرّہ گفتگو میں اُن کی طبیعت اور عزّتِ نفس کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے، ارشادِ نبوی:

"اپنی اولاد کی عزّت کیا کرو"

(ابن ماجه ابواب الادب، باب برالوالد)

اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ بچوں سے ہمیشہ عزت و وقار کا سلوک کیا جائے۔ اس عمر میں بچوں سے سنجیدہ معاشرتی مسائل پہ تبادلہ خیال کرتے ہوئے اُن کو مختلف اُمور کے بارہ میں باخبر کرنا چاہیئے اور گاہے بگاہے جب وہ کسی قدر فارغ ہوں بعض گھریلو کاموں کی ذمہ داری اُن کے سپرد کرنی چاہیئے اور تکمیل پہ اُن کی کارکردگی کی بناء پہ خوبیوں پہ حوصلہ افزائی اور خامیوں پہ پیار سے سمجھانا چاہیئے۔ کئی معاشروں میں لڑکوں لڑکیوں کا دوستیاں کرنا، کلبوں اور dates پہ جانا عام ہے جن میں وہ بداخلاقیوں اور جنسی بے رہروی میں مبتلا ہونے کے علاوہ اپنے

قیمتی وقت کا ضیاع بھی کرتے ہیں جبکہ اِن بداخلاقیوں کی تشنگی بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے ان بیہودگیوں سے بچوں کو بچانے کیلئے ہرممکن ذرائع اپنانے ضروری ہیں، بچوں کی بھرپور خوشیوں اور لطف ومزاح کا مرکز گھر ہونا چاہئیے اور گھر سے باہر تفریحات کی غرض سے ساری فیملی کے جانے کے پروگرام گاہے بگاہے بناتے رہنا چاہئیے چونکہ ماحول میں جنسی بے رہروی بہت زیادہ ہے لہٰذا بچوں کے جوان ہونے پہ اُن کی شادیوں میں خواہ مخواہ دیر نہیں کرنی چاہئیے بلکہ پڑھائی کے دوران یا تکمیل کے قریب اُن کی شادی کرنے کی فکر کرنی چاہئیے، اِس سے اُن کی اخلاقی حفاظت کا انتظام ہوگا اور تعلیم اگر جاری رکھنی ہوگی تو شادی کے بعد پڑھائی کو زیادہ توجہ اور وقت دے سکیں گے۔

بچوں اور بچیوں کیلئے مختلف تربیتی لائحہ عمل

لڑکیوں اور لڑکوں کی فطری استعدادیں اور جذبات مختلف ہوتے ہیں اگر انکو مدّنظر رکھ کر تربیت کی جائے تو زیادہ ثمرآور ہوگی، لڑکیاں لڑکوں کی نسبت زیادہ حساس ہوتی ہیں اور اُن کو بہ نسبت لڑکوں کے، والدین کی زیادہ توجہ درکار ہوتی ہے، لڑکوں کے لباس میں شائستگی، نفاست اور سادگی جبکہ لڑکیوں کے لباس میں اِن اُمور کے علاوہ شروع سے ہی اسلامی احکام کے مطابق مناسب پردہ بھی ہونا چاہئیے نیز پردہ کی حکمت، اہمیت اور فوائد کو منطقی استدلال سے بچیوں کے ذہن میں ڈالنا بھی ضروری ہے۔ لڑکیوں کی عمر جب بلوغت کو پہنچ جائے تو اُن کی والدہ کو چاہئیے کہ وہ اُن کو ضروری جنسی معلومات سے آگاہ کیا کرے اور شادی کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرے اور ذہنی طور پر تیار کرے کہ جب عمر 19-20 سال ہوجائے تو اُن کی شادی کردی جائے اور اس سے قبل اُن کی منگنی کردینی چاہیئے، مزید اعلیٰ تعلیم شادی کے بعد خاوند کے مشورہ اور رضا سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ شادی سے پہلے گھریلو مسائل کی تربیت بھی دی جانی ضروری ہوتی ہے مثلاً شادی کے بعد پیدا ہونے والے مختلف مسائل، خاوند کی معاون، اُسے مشورے دینے والی مگر حتمی فیصلے اُس پہ چھوڑنے والی بننا، اُسکے سب عزیزوں کا احترام اور اُن سے خوشگوار تعلقات قائم رکھنا۔

لڑکے بلوغت کی عمر کو پہنچیں تو والد کو چاہئیے کہ اُن کو مناسب جنسی معلومات، غضِ بصر نیز شادی کے بارہ میں جملہ معلومات دے اس طور کہ وہ 21-22 سال کی عمر میں شادی کیلئے ذہنی طور پر تیار ہوں اور اس سے قبل منگنی کردینی چاہیئے، نیز اُن کو شادی کے بعد پیدا ہونے والے مسائل اور بہترین طریق پہ حل کرنے کی حکمت عملی سمجھا دی گئی ہو، یہ اُمور والدین کیلئے مشکل ہوں تو جماعتی نظام کے تحت اہتمام کرایا جانا چاہئیے۔ بچوں کی تربیت میں ماں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے کیونکہ شروع میں وہ زیادہ وقت ماں کے ساتھ گذارتے ہیں، باپ کو بھی بیدار مغزی سے بچوں پہ ہمیشہ نظر رکھنی چاہئیے ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''اچھی تربیت سے بڑھ کر کوئی بہترین اعلیٰ تحفہ نہیں جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے''

(ترمذی کتاب البر والصلۃ باب فی ادب الولد)

ابتدائی تربیت اور شادی کے مرحلہ پہ خصوصاً بچوں کو ذات پات، شکل وصورت، مال ودولت کے تفاخر کی بیماریوں سے بچا کر نیک کردار تقویٰ وطہارت اور عجز و انکسار سے مزّین کرنا چاہئیے۔

اختلاف اور غلط فہمیاں بچوں سے علیحدگی میں زیر بحث لانا

میاں بیوی، ساس بہو، قریبی رشتہ داروں اور دوستوں میں وقتاً فوقتاً اختلافات اور غلط فہمیاں پیدا ہونا عام بات ہے اور ان کا جھگڑوں کی کیفیت تک پہنچ جانا ممکن ہوتا ہے ایسی تمام صورتوں میں بچوں کی موجودگی میں اختلافی معاملات پہ بات کرنے سے احتراز کرنا چاہئیے، اگر کوئی فرد بات شروع کردے تو اُسے بعد میں بات کرنے کیلئے کوئی ایسا وقت دینا چاہئیے جب بچے پاس نہ ہوں۔ بچوں کی موجودگی میں ایسے معاملات حل کرنے کی کوشش کرنا جن میں طیش میں آجانے کا احتمال ہو بچوں پہ ناقابلِ تلافی بُرا اثر ڈالتا ہے ایسا گھر جس میں والدین اور دیگر افرادِ خانہ میں لڑائی جھگڑے کی کیفیت رہتی ہو بچوں کیلئے گویا جہنم ہوتا ہے جہاں بچوں کی اچھی تربیت کا سوچنا خام خیالی ہے، ایسے گھروں کے بچے ہرممکن زیادہ وقت گھر سے باہر گذارنے کو ترجیح دیتے ہیں اور ماحول کی آلودگی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

عورت کا ملازمت کرنا

مغربی ممالک میں بچوں کی عدم تربیت اور اخلاقی انحطاط کی وجوہ میں یہ عنصر بہت اہم ہے کہ ان کا گھریلو خاندانی نظام عملاً تباہ ہو چکا ہے گھر سکون و راحت کی جگہ نہیں رہے اور بچے بڑے سب اپنی اپنی لذّات کی آبیاری کیلئے گھروں سے نکل کر دوستیوں اور نائٹ کلبوں تھیٹروں کے سہارے ڈھونڈتے ہیں حتّٰی کہ دوستیوں کو شادی کئے بغیر جنسی تعلق میں بدل کر اکٹھا رہنا شروع کر دیتے ہیں اور مادر پدر آزادی کو فیشن سمجھا جانے لگا ہے اِس صورتِ حال کے اسباب میں ایک اہم سبب عورت کا گھر پہ توجہ دینے کی بجائے ملازمت کیلئے گھر سے نکلنا ہے، اگرچہ اب امریکہ میں عورت کے ملازمت کی بجائے گھر سنبھالنے کا رُجحان بڑھ رہا ہے۔(Article by Lisa Belkin New York Times 2003)

ملازمت کرنے والی عورتیں عموماً اپنے خاوند کی معمولی سی تلخ بات بھی برداشت نہیں کرتیں، بعض تو ملازمت پہ بھرپور بناؤ سنگھار کر کے جاتی ہیں گویا کہ جسم کی نمائش یا خوبصورتی کے کسی مقابلے میں حصہ لینے جا رہی ہوں ایسی کئی عورتیں غیر مردوں سے دوستیاں شروع کر دیتی ہیں، پھر ملازمت پہ جانے والی عورتوں کو ایک دوسری کی دیکھا دیکھی فیشن اور عریانی کی متعدی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں، دیگر فضولیات کے علاوہ ایسی عورتیں خاوند، بچوں اور گھر کو مناسب وقت نہیں دے پاتیں اور گھر کا نظام بگڑنے لگتا ہے جس سے نہ صرف میاں بیوی کے تعلقات خراب ہوتے ہیں بلکہ بچوں کی تربیت کا بھی جنازہ نکل جاتا ہے، لہٰذا تھوڑے میں گذارہ کر لینے کو بیوی کی ملازمت پہ ترجیح دینی چاہئیے کیونکہ حاصل ہونے والا مالی فائدہ نقصان کے مقابل کچھ حیثیت نہیں رکھتا، اسی طرح شادی سے قبل سکول کالج یا یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم لڑکیوں کا ہفتے اتوار یا گرمیوں سردیوں کی چھٹیوں میں ملازمت کرنا بھی اُنکو اخلاقی نقصان پہنچاتا ہے۔ ایک شادی شدہ عورت خاوند کے مشورہ سے بوقتِ ضرورت ملازمت کر سکتی ہے جبکہ بچے سکول جاتے ہوں، ملازمت بچوں سے پہلے گھر آ جانے والی ہو اور ملازمت کیوجہ سے بچوں کی تربیت متاثر نہ ہو یا بچے بڑے ہو چکے ہوں، عورت کیلئے ملازمت میں تدریس وطب کے شعبے مناسب رہتے ہیں۔

احترام والدین

اولاد سے اکثر والدین کی توقع ہوتی ہے کہ جوان ہونے پہ اُن کیلئے موجبِ راحت واطمینان ہو کیونکہ وہ اُس پہ جان نچھاور کرنے سے گریز نہیں کرتے اور یہ وہ اولاد ہوتی ہے کہ شادی کے بعد اگر چند سال تک پیدا نہ ہو تو کئی شادی شدہ جوڑے بچوں کی خواہش میں پانی کی طرح رقم بہانے کے علاوہ مشرکانہ حرکات تک سے بھی دریغ نہیں کرتے اور جب اللہ تعالیٰ اولاد کی نعمت سے نوازتا ہے تو اُنکی خوشی ناقابلِ بیان ہوتی ہے، کئی والدین اس اولاد کی خاطر ناجائز ذرائع آمدن تک اختیار کر لینے سے گریز نہیں کرتے اِسی صورتِ حال کے بارہ میں اللہ تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ یعنی ابتلا اور آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ (انفال:29 تغابن:16 منافقون:10)

اپنی اولاد سے اچھے سلوک کی توقع کے پورا ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اولاد سے زیادہ توجہ اپنے بوڑھے والدین پہ دی جائے یہ عملی درس بچوں کو اپنے والدین کا خدمت گزار بنائے گا، لیکن اگر والدین نے اپنے بوڑھے ماں باپ سے سرد مہری برتی ہو گی تو آج کے والدین جب بوڑھے ہوں گے تو کل کو بچے اُن سے بے مروتی کا روّیہ اپنا سکتے ہیں بیشک ان بچوں کو سونے چاندی کے برتنوں میں کھلایا پلایا ہو بلاشبہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کا محاورہ ایک اَن مٹ حقیقت ہے۔

معاشرتی مساوات اور باہمی احترام کا درس

بچے فی ذاتہٖ کسی قوم، رنگ یا نسل کے ہوں وہ فطرتاً معصوم اور اچھے ہوتے ہیں، بچوں کی تربیت کے ضمن میں بعض والدین سرے سے تربیت پہ توجہ ہی نہیں دیتے یا بہت کم توجہ دیتے ہیں اور اپنی نفسانی لذات کی آبیاری اور دیگر اُمور میں اُلجھے رہتے ہیں ایسے والدین معاشرے میں مجرموں کا بیج بونے والے ہوتے ہیں کیونکہ وہ بچوں کو اچھا بااخلاق انسان بنانے پہ مطلوبہ توجہ اور محنت نہیں کرتے۔ والدین کی ایک قسم وہ ہے جو بچوں کی تربیت کی کوشش تو کرتے ہیں مگر انداز غلط ہوتا ہے وہ بچوں کو غلط فرسودہ معلومات اور نظریات

دیتے ہیں، مثلاً اپنے عقیدہ اور مذہب کے بارہ میں بچوں کو بتاتے وقت دیگر مذاہب اور نظریات کے بارہ میں نفرت وحقارت کی تعلیم دینا، بعض اپنے خاندان اور قوم کے بارہ میں بچوں کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیتے ہیں کہ دُنیا میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور دیگر کمتر ہیں، والدین کو ایسے منفی اُمور سے اجتناب کرتے ہوئے بچوں کو احترام انسانیت، مساوات اور اختلافِ رائے و مذہبی آزادی کا درس دے کر معاشرے کا مفید حصہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

وابستگی اور احترام نظامِ جماعت

احمدی والدین کیلئے بچوں کی تربیت کے ضمن میں سب سے قیمتی نُسخہ بچوں کو تمام جماعتی پروگراموں میں شامل کرنا ہے، جماعتی پروگرام اُن کو نہ صرف آج کے زہر آلود ماحول کی خطرناک آلودگیوں سے بچاسکتے ہیں بلکہ اُن کو کُندن بنانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔بعض ایسے لوگ دیکھے گئے ہیں جو عدم تجربہ یا کم علمی کی بنا پر بچوں کی جماعتی پروگراموں میں شرکت کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دیتے۔دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو دل و جان سے سمجھتے ہیں کہ سب دینی و دُنیوی برکات نظامِ جماعت سے وابستہ ہیں لہٰذا وہ اپنے بچوں کو جماعتی پروگراموں میں ہر قیمت پہ شریک کراتے ہیں۔ابتدا میں ایسے بچے جو ہر جماعتی پروگرام میں لازماً شرکت کرتے ہیں اُن بچوں سے بہت مختلف نظر نہیں آتے جو جماعتی پروگراموں میں بہت کم یا نہ ہونے کے برابر شرکت کرتے ہیں مگر جب بچے بڑے ہوتے ہیں تو فرق نمایاں ہونے لگتا ہے اور جماعتی پروگراموں میں شامل ہونے والے بچے منفرد ہوتے جاتے ہیں، وہ کمال بااخلاق ہوتے ہیں اور ہر معاملہ میں دین کو دُنیا پہ مقدم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسکی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ جیسے کُچھ چھوٹے پودے ہوں جو بالکل ایک جیسے نظر آتے ہوں، یہ پودے جب بڑے ہوکر مکمل درخت بنیں تو اِن میں سے کُچھ خوشبودار اور میٹھے پھولوں پھلوں سے لدے درخت ہوں اور کُچھ کانٹے دار جھاڑیوں کا روپ دھار لیں۔ بچوں کو نظامِ جماعت کی پابندی، اسکو اپنے دل میں سب کاموں سے زیادہ اہمیت واحترام دینا اور مقدم کرنا سکھانا چاہیئے۔ بچوں کے سامنے اُن کے ناپختہ اور معمولی باتوں سے دوررس اثر لینے والے ذہن کو مدِنظر رکھتے ہوئے کسی عام شخص کی کمزوری کا ذکر بھی مناسب نہیں ہوتا لیکن بعض اخلاقی اور روحانی طور پہ بیمار افراد عام لوگ تو ایک طرف رہے وہ عہدہ دارانِ جماعت کا بیوی بچوں اور غیر متعلقہ افراد کے سامنے غیر مناسب اور اخلاق سے عاری انداز میں ذکر کرتے ہیں اور بدگمانی و بدظنی کی بنا پہ اُن کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے سے دریغ نہیں کرتے، بسا اوقات ایسے لوگ خود تو جیسا بھی ہو جماعت سے تعلق رکھتے ہوئے اور نظامِ جماعت میں چندے دیتے ہوئے اپنی زندگی گذار جاتے ہیں مگر اُن کی اولاد نظامِ جماعت سے تعلق کم کرتے کرتے علیحدگی اختیار کر جاتی ہے یہ بیماری ایک شخص سے دیگر کم علم اور کمزور افراد اور بچوں کو متعدی صورت میں لگ سکتی ہے لہٰذا احمدی والدین کو اپنی، اپنی اولاد اور دیگر کمزور افرادِ جماعت کی روحانی بقا کی خاطر اس قبیح حرکت سے بچنا اور اسکی بیخ کنی کرنی چاہیئے۔

چند متفرق اُمور

☆ بڑے بچے کی تربیت پر بھرپور توجہ مرکوز کرنی چاہیئے کیونکہ وہ چھوٹے بہن بھائیوں کیلئے رول ماڈل (Role Model) ہوتا ہے وہ اُسکا نمونہ دیکھتے اور تقلید کی کوشش کرتے ہیں۔

☆ بچوں میں موقع محل کی مناسبت سے مزاح کی لطیف حس کیساتھ مساجد اور دینی اجتماعات پہ متانت اور ذکرِ الٰہی اختیار کرنے کی صفت پیدا کرنی چاہیئے۔

☆ بچوں کی تربیت میں نہ زیادہ پابندیاں اور سختیاں کارگر ہوتی ہیں اور نہ ہی کھلی آزادی مناسب رہتی ہے اسلام کی اعتدال کی تعلیم کے مطابق بچوں کے مسائل کو بات چیت اور اُنہیں اعتماد میں لے کر حل کرنا چاہیئے جبکہ ٹالنے سے معمولی مسائل خطرناک لاوے کی طرح بربادیاں لاسکتے ہیں۔

☆ بچے سے کبھی غلطی ہو جائے تو اُسکی عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے نرمی سے سمجھانا چاہیئے اُسے عزت و وقار سے آپ کہہ کر مخاطب کرنا چاہیئے۔

☆ کھیل وغیرہ کے ذریعہ بچے کو اُصولوں کی پابندی، سب کی برابری اور اپنی غلطی کسی پہ تھوپنے کی بجائے تسلیم کرنا سکھانی چاہیئے۔

☆ بچہ اپنے سے چھوٹوں سے پیار اور بڑوں سے احترام سے پیش آیا کرے، اُسے جب کوئی کُچھ دے یا مدد کرے تو شکریہ ادا کرے، کسی کو اُسکی وجہ سے تکلیف ہو تو معذرت کرے۔

☆ بچے کو دوسروں سے تعلق میں عدل، احسان اور ایثار اپنانا اور سچ، دیانت داری، اپنے قول پہ قائم رہنا، بہادری، بلند ہمتی، وفاداری، صلح جوئی۔ اپنے جسم، لباس، ماحول کی صفائی، غریبوں کی مدد اور عجز و انکسار وغیرہ سے خاص پیار پیدا کرنا چاہیئے جبکہ جھوٹ، چوری، دھوکہ دہی cheating تکبر وغرور اور سُستی و کاہلی وغیرہ سے نفرت پیدا کرنی چاہیئے۔

☆ خوبصورت فریمز میں منتخب قرآنی آیات، احادیث، پُرحکمت جامع تحریرات، اقوال درثمین کلامِ محمود وغیرہ کے اشعار نیز بعض رول ماڈل شخصیات جیسے بانیٔ جماعت احمدیہ، خلفاءِ احمدیت، حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خانؓ، محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی تصاویر بچے کے کمرے یا ڈرائینگ روم وغیرہ میں آویزاں کرنی چاہئیں۔

بچوں کی تربیت کے ضمن میں چند اُمور کا مختصر ذکر کیا گیا ہے، اہلِ قلم افرادِ جماعت سے بچوں کے تربیتی اُمور کے مشن میں قلم کے جہاد میں حصہ لینے کی درخواست ہے۔ تربیتِ اولاد کے جہاد میں سرخرو ہونے کیلئے احباب جماعتِ احمدیہ کیلئے کارگر ہتھیار دعا کیساتھ بچوں سے گہری دوستی کا تعلق اور پُرکشش محبت و خلوص والا عملی نمونے پیش کرتے ہوئے گھر کا ماحول ایسا پُرلطف اور خوشگوار بنانا ہے جسے جنت نما کہا جا سکے، بچے جب گھر سے باہر جائیں تو ہر ممکن جلد واپس آنے کو بیتاب ہوں اور والدین کی خوشنودی اور ناراضگی کے بارہ میں انتہائی حسّاس ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بچوں کی بہترین تربیت کی توفیق عطا فرمائے اور ہم اور ہمارے بچے مقبول خدمات دینیہ کی توفیق پانے والے بنیں۔ آمین

عربی زبان کی خصوصیت

''یہ خصوصیت صرف عربی زبان میں ہے کہ اس کے تمام اسماء مسمّیات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ دوسری زبانوں میں یہ بات نہیں ہے ان زبانوں میں نام سے صرف شناخت کا فائدہ حاصل کیا گیا ہے اگر ان ناموں کو بدل دیا جائے تو بھی کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا مثلاً اُردو میں غلّہ سے بنائی ہوئی غذا کو روٹی کہتے ہیں انگریزی میں بَریڈ اور فارسی میں نان۔ اگر ان ناموں کی جگہ مثلاً جوتی یا جریڈ یا پان۔ اس چیز کے نام رکھ دیئے جائیں تو کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا مگر عربی زبان میں اس چیز کا نام خُبۡزٌ ہے جو بامعنی ہے۔ عربی زبان میں 'خ ب ز' جمع ہوں تو ان کے معنوں میں عمل اور پھولنے کے معنے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بَـزَخَ کے معنی ہیں سینہ کو باہر نکالا اور خَزَبَ کے معنے ہیں جلدی جلدی ہاتھ مار کے عمل کیا پس خُبۡزٌ کے معنے ہوئے وہ چیز جسے جلدی جلدی ہاتھوں سے تیار کیا جائے اور وہ موٹی ہو جائے اور پھول جائے اور یہ روٹی کا عین نقشہ ہے۔ روٹی کو جلدی جلدی ہاتھ مار کر تیار کیا جاتا ہے اور آگ میں رکھنے کے بعد وہ پھول جاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ روٹی کے لئے اگر عربی زبان میں خُبۡـــزٌ کی جگہ کوئی اور لفظ رکھا جائے تو روٹی کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ روٹی کا مفہوم خ ب ز کے حروف کے ملانے سے ہی پیدا ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نام ربّ کو لے لو۔ ربّ کے معنے تربیت کرنے اور ادنیٰ سے اعلیٰ حالت تک پہنچانے کے ہیں اس لفظ کی جگہ کوئی اور لفظ رکھو تو یہ غرض کبھی پوری نہ ہوگی۔ پھر عربی میں آسمان کو سماء کہتے ہیں س م و جس سے یہ لفظ بنا ہے بلندی اور ارتفاع پر دلالت کرتا ہے مگر آسمان فارسی کا لفظ یا سکائی انگریزی کا لفظ اس حقیقت کو ظاہر نہیں کرتا پس عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں سب نام نام والے کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں اگر ان ناموں کو بدل دو تو وہ اس حقیقت کو ظاہر نہیں کریں گے بلکہ صرف ایک علامت رہ جائیں گے لیکن دوسری زبانوں میں اس حقیقت کا نام ونشان نہیں پایا جاتا اِلّا ماشاءاللہ۔ پس زبان سکھانے کے معنوں سے یہ مراد لی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک ایسی زبان سکھائی جو بے معنے اور بے ربط نہ تھی بلکہ اس کی بنیاد فلسفہ پر تھی اور اس کے تمام لفظ بامعنیٰ تھے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان سکھائی جو بعد میں دوسری زبانوں کی ماں بنی۔''

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 314)

''خِرد کی تنگ دامانی سے فریاد''

پوپ کی اِشتعال انگیز تقریر

محمود بن عطاء ، ٹیکساس

دُنیا میں مسیحی دین کے پیروکاروں کی تعداد 3 بلین بیان کی جاتی ہے۔ ان میں سے 1.3 بلین رومن کیتھولک چرچ سے وابستہ ہیں۔ مختلف مسلمان فرقوں کی مجموعی تعداد بھی ان کے برابر ہے۔ پوپ رومن کیتھولک مسیحیوں کے روحانی پیشوا ہیں جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جانشین سمجھا جاتا ہے۔ پاپائیت کی یہ غیر منقطع لائن' حضرت عیسیٰؑ کے حواری پطرس (Peter) سے ملائی جاتی ہے جو روم میں مدفون ہیں اور کم وبیش ہر پوپ کو اس مقبرے میں دفن کیا گیا ہے۔ لمبے عرصے تک پوپ وسیع و عریض عیسائی مملکت کا سربراہ بھی ہوا کرتا تھا۔ اب ان کی حکومت سمٹ کر صرف ویٹی کن (Vatican) شہر تک رہ گئی ہے۔ مگر اس کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ پوپ کو دنیا کے ہر ملک میں سربراہ مملکت کا پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ اس تعارف سے معلوم ہوتا ہے کہ بین الاقوامی لحاظ سے پوپ کی شخصیت ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ انہیں ہر لفظ اچھی طرح سوچ کر اور تول کر بولنا چاہیئے۔

پوپ بنی ڈِکٹ (Benedict XVI) ایک بلند پایہ علمی شخصیت ہیں۔ پڑھے لکھے اور جہاں دیدہ انسان ہیں وہ ایک اچھے مقرر' مفکر' مصنف اور معلم ہیں۔ یونیورسٹی میں پڑھانے کا تجربہ بھی ہے۔ مسیحی دین کے مذہبی اور فقہی مسائل کے بارے میں انہیں ایک اتھارٹی سمجھا جاتا ہے۔ پوپ جان پال دوم کو ان پر بڑا اعتماد تھا لیکن پوپ جان پال دوم' موجودہ پوپ کی نسبت زیادہ محتاط اور دور اندیش سیاست دان تھے۔ اکیسویں صدی کی بدلی ہوئی فضا میں وہ مذاہب کے درمیان افہام وتفہیم اور ڈائیلاگ کے علمبردار تھے۔ اسی جذبے کے پیشِ نظر انہوں نے اپنی پاپائیت کے آخری سالوں میں' یہودیوں کو صدیوں پرانے قتل مسیحؑ کے الزام سے ''بری'' کر دیا اس الزام کی وجہ سے وہ تقریباً 2000 سال سے مسیحیوں کی نفرت کا شکار چلے آ رہے تھے۔ اسی طرح انہوں نے ایسٹرن آرتھوڈاکس چرچ سے بھی مفاہمت کے اشارے دیئے۔ انہوں نے اسلام سے بہتر تعلقات استوار کرنے کیلئے مسلم زعماء اور علماء سے ڈائیلاگ کے لئے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا۔ 2001 میں وہ دمشق کی اموی مسجد میں' امام کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے والے پہلے پوپ تھے۔ انہوں نے مسلمانانِ عالم سے یک جہتی کے لئے چند سال قبل دنیا بھر کے رومن کیتھولک عیسائیوں کو رمضان المبارک میں جمعۃ الوداع کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔۔ مگر موجودہ پوپ کی ایک لغزش زبان نے دونوں مذاہب میں شدید بدمزگی پیدا کر دی ہے اور اس زخم کو مندمل ہونے کے لئے کچھ وقت لگے گا۔

پوپ کی اس غلطی کا پس منظر یہ ہے کہ انہوں نے 12 ستمبر 2006 کو جرمنی کی ایک یونیورسٹی میں سائنس دانوں کے ایک اجتماع میں ''مذہب اور عقل'' یا دلیل کے موضوع پر تقریر کی (Faith and Reason)۔ یہ تقریر پادریوں اور مذہبی لیڈروں کے سامنے نہیں کی گئی تھی۔ اس کے اصل مخاطب سائنس دان اور دانش ور تھے۔ اس تقریر کے آغاز میں پوپ نے چودھویں صدی عیسوی کے ایک بازنطینی شہنشاہ، مینوئل دوم کا ایک حوالہ پڑھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس حکمران کی ایک مسلمان ایرانی عالم کے ساتھ مذہبی گفتگو ہوئی۔ اس تبادلہ خیالات میں بادشاہ نے مسلمان عالم سے کہا:

''بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کون سی نئی تعلیم دی ہے؟ بلکہ جبر وتشدد سے اپنے دین کو پھیلانے کا حکم دیا ہے جس کے نتیجے میں اسلام تلوار سے پھیلا ہے''۔

اِس بات چیت میں یہ نامناسب فقرہ بھی جڑ دیا کہ اسلام میں کوئی خیر اور بھلائی سرے سے موجود ہی نہیں۔

پوپ کی اس تقریر میں یہی حوالہ نزاع کا باعث بن گیا۔ یہی پوپ کی غلطی ہے۔ایک مقرر جب کوئی حوالہ پیش کرتا ہے تو وہ اپنے خیالات کی تائید کے لئے پیش کرتا ہے یا پھر علمی لحاظ سے اس کا تنقیدی تجزیہ پیش کرتا ہے۔ پوپ نے ایسا کوئی تنقیدی جائزہ پیش نہیں کیا۔ نہ ہی اسے کھل کر اپنایا ہے۔ پھر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حوالے کو اپنی تقریر کا نقطہء آغاز بنایا ہے۔ چونکہ یہ حوالہ مینوئل دوم کی ایک مسلم عالم سے گفتگو میں سے لیا گیا ہے پوپ کا فرض بنتا تھا کہ وہ یہ بھی بتاتے کہ اس سوال یا ریمارکس کے جواب میں اُس مسلمان عالم نے کیا کہا؟ پوپ نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا۔ تاریخ اور ادیان عالم کے تقابلی مطالعہ کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے یہ ہر ایک کا حق ہے کہ طرفین کی اس گفتگو کی تفصیل معلوم کرے۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ تفصیل مجھے کہیں سے مل جائے اور کہیں ہو یا نہ ہو،پوپ کی لائبریری سے کچھ سراغ مل سکتا ہے۔

مینوئل دوم کو تاریخ کی کتابوں میں ''شہنشاہ'' یعنی Emperor لکھا جاتا ہے اور پوپ نے بھی اسے اسی خطاب سے یاد کیا ہے۔اس کی حیثیت خاندان مغلیہ کے آخری ''شہنشاہ'' سراج الدین بہادر شاہ ظفر جیسی تھی۔ ان کے جدّ امجد' شاہ عالم' ثانی کے متعلق کہا جاتا تھا ''سلطنتِ شاہ عالم از دِلّی تا پالم'' یعنی ان کی مملکت کا حدود اربعہ دہلی سے مضافات پالم (دہلی ایئر پورٹ) تک ہی ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے وقت میں تو اور بھی کمزور ہو گئی تھی مگر ذوق اور غالب کے قصیدوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب کسی سُپر پاور (Super Power) کے فرماں روا ہیں۔ تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ بادشاہ کو جب سلطنت کے کام کاج نہ ہوں' تو وہ بہادر شاہ ظفر کی طرح شاعر' مینوئل دوم کی طرح ریسرچ اسکالر اور مناظر' یا پھر نیرو کی طرح موسیقار بن جاتا ہے۔ البتہ مجھے اورنگزیب عالمگیر کے بارے میں ہمیشہ حیرانی ہوتی ہے کہ اتنی وسیع وعریض سلطنت کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری کے باوجود موصوف ٹوپیاں سیتے رہتے تھے۔ ناقدین تاریخ نے انہیں مغل سلطنت کے زوال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ حضرت اگر یہ وقت بھی امور سلطنت میں صرف فرماتے تو مغل سطنت کا مستقبل سنور جاتا!

بات سے بات نکلتی ہے۔ مجھے بازنطینی سلطنت کا ایک عظیم شہنشاہ ہرقل (Heraclius) یاد آ گیا ہے۔ اس کا تاریخِ اسلام اور قرآن مجید کی سورت الرّوم کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ یہ عیسائی بادشاہ' حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمعصر تھا۔ یہ 610 عیسوی میں بازنطینی تخت پر بیٹھا۔ اسی سال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت ورسالت عطا فرمایا گیا۔ ہرقل مینوئل دوم کے برعکس سلطنت کی حدود، افواج اور جاہ وجلال کے لحاظ سے واقعی ایک شہنشاہ اور صاحب ِاقتدار تھا۔ موجودہ ترکی' شام' اردن' فلسطین' اسرائیل' مصر وغیرہ اس کی مملکت کے صوبے تھے۔ صلح حدیبیہ کے جلد بعد' حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسل نے مختلف بادشاہوں کو قبول اسلام کی دعوت دی۔ ایک ایسا ہی تبلیغی خط ہرقل کو بھی تحریر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط دحیہ کلبی ،صحابی رسولؐ ہرقل کے دربار میں لے کر گئے۔ ہرقل اس وقت یروشلم میں تھا۔ وہاں اس نے مکہ سے شام آنے والے تاجر، ابوسفیان اور اس کے رفقاء کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات پوچھے۔ سوال وجواب کی یہ تفصیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی خط کا متن، صحیح بخاری میں محفوظ ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے صحیح بخاری۔ جلد اول۔ کتاب الوحی، حدیث نمبر 6، عربی متن مع اردو ترجمہ از علامہ وحیدالزمان، پبلشرز، جہانگیر بک ڈپو، لاہور صفحہ 111) سوال وجواب کی اس محفل کے بعد ہرقل پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر ہو گئی۔ مگر بدقسمتی سے وہ درباریوں کے دباؤ کی وجہ سے قبول حق سے محروم رہا۔ مگر مینوئل دوم کی طرح اس کی زبان سے بے ادبی کا کوئی کلمہ سرزد نہیں ہوا۔ ہرقل کے عہدِ حکومت میں قرآن مجید کی ایک عظیم الشان پیش گوئی بڑی شان سے پوری ہوئی۔ اس پیش گوئی کا میں اس مضمون میں الگ ذکر کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بازنطینی دارالحکومت، قسطنطنیہ کی فتح کا شرف حاصل کرنے والوں کو جنت کی بشارت بھی دی۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے اسے فتح کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ میزبانِ رسولؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مزار اسی شہر کی فصیل کے قریب ہی واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ آٹھ صدیوں کے طویل سفر کے بعد 1453 عیسوی

میں خاکِ قسطنطنیہ نے مسلمان فاتحین کے قدم چومے۔ اس کے بعد یہ سرزمین تقریباً 500 سال تک عثمانی سلاطین کے اقتدار کا مرکز ومحور رہی اور سارا مشرقِ اوسط، شمالی افریقہ اور مشرقی یورپ ان کے زیرِ نگین رہا!

اس تحریر کے آخری حصے میں مَیں پوپ کی تقریر پر مسلمانوں کے ردّعمل اور ''شہنشاہ'' مینوئل دوم کے حوالے کا تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ پوپ کی اس تقریر کا عالم اسلام میں شدید ردّعمل ہوا۔ مختلف ممالک میں جلسوں اور ریلیوں کے ذریعے غم اور غصے کا اظہار کیا گیا۔ خاص طور پر ان ممالک میں جہاں بعض مسائل کی وجہ سے حکمران، نیز موافق اور مخالف سیاست دان پریشان ہیں اور عوام کی توجہ ہٹانے یا جذب کرنے کے لئے، بحران اور ہیجان پیدا کرنے کے لئے مواقع کے منتظر رہتے ہیں۔ چنانچہ مصر، ترکی، فلسطین، صومالیہ، سوڈان، لبنان اور پاکستان میں بعینہٖ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔

ترکی میں ایک طرف یورپی یونین میں داخلہ کی تمنا ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ دوسری طرف مذہبی سیاست دان سیکولرازم سے برسرِ پیکار ہیں۔ دہشت گردی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ ترکی میں احتجاج متوقع تھا۔ حکمران پارٹی کے ڈپٹی لیڈر صالح نے پوپ کو ہٹلر اور مسولینی کا مثیل قرار دیا۔ حالانکہ یہ تشبیہہ جچتی نہیں۔ سوڈان میں دارفر کے علاقے میں قتلِ عام اور نسل کشی جاری ہے۔ سوڈان وہاں اقوام متحدہ یا افریقی فوج کی موجودگی کا روادار نہیں۔ بین الاقوامی مذمت کی بھڑاس پوپ پر نکالی گئی ہے۔ فلسطین میں حماس حکومت کئی مہینوں سے اپنے ملازمین کی تنخواہیں ادا نہیں کر پائی۔ وہاں ہزاروں عرب عیسائی سینکڑوں سالوں سے رہ رہے ہیں۔ ان کے مقدس مقامات وہاں ہیں۔ مختلف شہروں میں چرچوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ غزّہ میں حماس کے ترجمان اسمٰعیل رضوان نے کہا کہ پوپ نے یہ تقریر کرکے '' عالم عرب کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔'' حماس کے مجاہدوں نے یہ بھی کہا کہ '' روم کو فتح کر کے پوپ سے انتقام لیا جائے گا''۔ لبنان میں حزب اللہ کے '' جنگجوؤں کی وجہ سے مخالف سیاسی دھڑوں میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ بیس سالہ پرانی '' سول وار'' کے باقیات سر اٹھا رہے ہیں۔ ان حالات کا رُخ موڑنے کیلئے حزب اللہ نے پوپ کو امریکی ایجنٹ قرار دیا اور اس سے معافی کا مطالبہ بار بار دہرایا گیا۔ پوپ اور اس کے ترجمان تین چار دفعہ معذرت کا اظہار کر چکے ہیں مگر ہر بار مصر سے یہی آواز بلند ہوتی ہے کہ ہماری تسلی نہیں ہوئی۔ پاکستان کو کئی داخلی مسائل درپیش ہیں۔ اس موضوع پر حکومت اور اپوزیشن میں دوڑ لگ گئی۔ پارلیمنٹ اور سینیٹ نے مذمتی قرار دادیں پاس کیں۔ اپوزیشن نے جلوس نکالے۔ امریکی جھنڈے اور پوپ کے پُتلے جلائے۔ علماء کرام کی طرف سے پوپ کو '' برطرف'' کرنے اور پھانسی دینے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ صومالیہ میں ایک راہبہ (Nun) کو قتل کر دیا گیا اسی طرح پوپ کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ بھی دیا گیا۔ اسی طرح کسی اور گروپ نے پوپ کو قتل کر کے قصہ پاک کرنے کی دھمکی بھی دی۔ ایک لمحہ کیلئے ٹھنڈے دل سے سوچیئے کہ پوپ نے اپنی تقریر میں بازنطینی شہنشاہ کا حوالہ پڑھ کر اسلام کی طرف تشدّد اور جبر منسوب کرنے کی کوشش کی تھی مگر جس رنگ میں عالم اسلام میں اس پر احتجاج کیا گیا ہے، اس میں عملاً اس '' الزام'' کی تائید کی گئی ہے کہ آج کا مسلمان صرف اور صرف تشدد کی زبان جانتا، پہچانتا اور استعمال کرتا ہے اور اسے عین اسلام سمجھتا ہے۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ بدقسمتی سے ہمارے ترکش میں یہی ایک تیر ہے جس پر ہم ناز کرتے ہیں؟

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں

ترکشِ ماراخدنگِ آخریں

اس قسم کے پرتشدد احتجاج پر مغربی میڈیا میں بڑی لے دے ہوئی ہے۔ میں صرف ایک مثال دوں گا۔ Austin American Statesman نے اپنی 25 ستمبر 2006 کی اشاعت (صفحہ A11) پر ایک کارٹون شائع کیا ہے۔ لمبی ڈاڑھی اور بڑی سے پگڑی سے مزیّن ایک عالم دین، اپنے قد کے برابر تلوار لہرا کر دُبکے ہوئے مُنحنی پوپ سے کہتا ہے:

''اپنے الفاظ واپس لو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا''پوپ کو درج ذیل الفاظ واپس لینے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

"Violence is Wrong"

یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ ہم اسلام، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات میں کس حد تک مخلص ہیں؟ ان احتجاجی جلسوں اور ریلیوں میں اٹھائے اور لہرائے جانے والے بینرز کی تصاویر کا میں بڑے غور سے جائزہ لیتا رہا ہوں۔ ہر بیـــــنــــــر کے نیچے کسی نہ کسی سیاسی پارٹی کا نام جلی حروف میں درج ہے۔ مثلاً 'جماعت اسلامی'، 'مسلم لیگ (ن)' وغیرہ۔ اس مقدس مذہبی فریضے کی ادائیگی کے لئے ان سیاسی ناموں کے اعلان کی کیا ضرورت تھی؟ جب ہم مسجد میں نماز ادا کرنے جاتے ہیں کیا صف میں اپنے نام کا جھنڈا لہرانا ضروری سمجھتے ہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ ''چیک'' الیکشن کے دنوں میں ''کیش'' کروانے کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اس پروپیگنڈے کا مطلب ہے کہ ہماری پارٹی آپ کے قیمتی ''اسلامی'' ووٹ کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔ اسے کہتے ہیں سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کا استحصال!

مجھے سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان تنظیموں کے لیڈروں، آئمہ مساجد، علماء، مشائخ، دانش وروں اور کالم نویسوں کی طرف سے ان اعتراضات کا جواب نہیں دیا گیا جو مینوئل دوم کے اس حوالے سے اٹھائے گئے ہیں۔ یعنی

1۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں کون سے نئی چیز پیش کی ہے؟

2۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کو جبر وتشدد سے پھیلانے کا حکم دیا، چنانچہ اسلام تلوار سے پھیلا۔

3۔ اسلام میں اچھائی اور بھلائی نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں۔

یہ تینوں اعتراضات بے بنیاد اور سر تا پا غلط ہیں۔

1۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ تمام ابدی صداقتیں کشید ہو کر اس میں جمع ہو گئی ہیں۔

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَة

(سورة البینہ آیت3)

لیکن اسی اعجازی شان کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے اعلیٰ روحانی، اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات پیش کی ہیں۔ خالقِ کائنات کی عالمگیریت، توحید کامل، قادر و قیوم خدا کا تصور، احترام آدمیت، مساواتِ انسانی، حقوقِ نسواں، تلاشِ حق کے لئے عقل و دانش کی اہمیت، بین الاقوامی معاملات میں رہنمائی، بہت سے نئے پہلو قرآنی تعلیم میں موجود ہیں۔ قرآن کریم شوکتِ الفاظ، معارفِ روحانیہ اور اپنے اسٹائل کے لحاظ سے بھی ایک معجزہ ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں بہت سی عظیم الشان پیشگوئیاں موجود ہیں جو اپنے اپنے وقت پر پوری ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں ایک خاص پیشگوئی بازنطینی ایمپائر کے لئے بھی موجود ہے جس کا ذکر سورۃ الروم (قرآن مجید کی تیسویں سورت جو مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چھٹے یا ساتویں سال یعنی 616,615ء کے لگ بھگ نازل ہوئی) کی ابتدائی آیات میں موجود ہے۔ کاش مینوئل دوم نے اس پیشگوئی پر ہی صاف دل سے غور کیا ہوتا!!!

سورۃ روم کی ان آیات (2 تا5) کا ترجمہ:

’’اہلِ روم (بازنطینی) قریب کی زمین سے مغلوب ہو گئے۔ وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد تین سال سے نو سال کے اندر اندر غالب آ جائیں گے۔ پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی۔ اور اس دن مومن بھی اللہ تعالیٰ کی مدد پر بہت خوش ہوں گے وہ جسے چاہے غالب کر دیتا ہے وہ بار بار رحم کرنے والا ہے۔‘‘

ان آیات کریمہ کے نزول کے وقت ہرقل، ایرانی شہنشاہ، خسرو ثانی کی افواج سے پسپا ہو چکا تھا۔ ایرانیوں نے بہت سا علاقہ بازنطینیوں سے چھین لیا تھا۔ 613 میں دمشق فتح ہوا۔ 614 میں یروشلم پر قبضہ ہوا۔ 615, 616ء میں ایرانی افواج نے مصر روند ڈالا۔ اسی سال قسطنطنیہ پر بھی حملہ کیا گیا۔ یروشلم فتح کرنے کے بعد ایرانی، وہ مقدس صلیب بھی اٹھا کر لے گئے جس کے متعلق مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ اس پر حضرت مسیح ؑ لٹکائے گئے تھے۔ صلیب کے ساتھ ایرانی یروشلم کے لارڈ بشپ کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لے گئے۔ ان مایوس کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اہلِ روم ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے اور ان کی فتح کے وقت مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی مدد پر خرم و مسرور ہوں گے۔ 622ء میں ہرقل نے ایرانیوں کو پہلی شکست دی۔ اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لئے۔ 624ء میں ہرقل یہ جنگ ایران کے سرحدوں کے اندر لے گیا اور ان کا سب سے بڑا مقدس آتش کدہ ویران کر دیا۔ انہی دنوں کے قریب اللہ تعالیٰ نے 313 مسلمانوں کو جنگِ بدر میں مشرکینِ مکہ کے عظیم لشکر پر فتح مبین عطا فرمائی جو اہلِ ایمان کے لئے خوشی کا ایک موقع تھا۔ اس قرآنی پیش گوئی کا اپنی جزئیات کے ساتھ اس طرح پورا ہونا، اسلام اور قرآن کی صداقت کا ثبوت ہے۔ کیا یہ روحانی تجربات کے باب میں ایک نئی بات نہیں؟

2۔ قرآن مجید آزادیٔ ضمیر کا علمبردار ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ

(سورۃ البقرہ آیت 256)

ایک واضح حکم ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں کہ کسی ایک شخص کو بھی جبراً مسلمان بنایا گیا ہو۔ حضرت عمرؓ اپنے وقت کی عظیم ترین مملکت کے سربراہ تھے۔ آپؓ بہت بڑے عالمِ قرآن اور فقیہہ تھے۔ آپؓ کا ایک غلام آخر وقت تک غیر مسلم رہا۔ اگر اسلام میں جبر کی اجازت ہوتی تو اسے مسلمان کیوں نہیں بنالیا گیا؟ اس کے انکار پر ہر بار حضرت عمرؓ یہی فرمایا کرتے تھے کہ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کے سامنے مجبور ہوں۔ ہندوستان اور اسپین پر مسلمانوں نے صدیوں تک حکومت کی۔ اگر اسلام کو جبراً پھیلانے کی اجازت ہوتی تو کم از کم ان ممالک کے باشندے سو فیصد مسلمان ہوتے۔ مگر ان ممالک میں علی الترتیب 1857ء (جنگ آزادی) اور 1492ء (سقوطِ غرناطہ) تک مسلمان اقلیت میں رہے اور اب تک یہی حالت ہے۔ ذرا یہ بھی غور کیجئے کہ آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے مسلمان ملک انڈونیشیا میں اسلام تاجروں نے پھیلایا۔ وہاں کون سا جہاد ہوا ہے؟

یورپ میں عیسائیت کے عروج کی تاریخ پوپ کی نظر سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ قسطنطائن نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد اسے ’’ریاستی‘‘ قرار دے کر رعایا پر ٹھونسا۔ کیا یہ جبر کی مثال نہیں؟ پھر پوپ اربن نے صلیبی جنگوں کا آغاز کیا جن میں ہزاروں مسلمان سویلین مولی گاجر کی طرح کاٹ دیئے گئے۔ کیا یہ تشدد کی مثال نہیں؟ پھر سقوطِ ہسپانیہ کے بعد Inquisition کے ذریعے ان گنت مسلمانوں کو یا تو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا جبراً عیسائی بنالیا گیا۔ یہ آزادیٔ ضمیر کی کون سی قسم ہے؟ پھر یورپ میں ’’جادوگرنیوں‘‘ (Witches) کے زندہ جلانے کے جو واقعات ہوئے ہیں انہیں آپ تاریخ سے کیسے غائب کریں گے؟ سائنس دان بھی آپ کے تشدد سے نہیں بچ سکے۔ گلیلیو کو قید کی سزا سنائی گئی جو بڑھاپے کی وجہ سے نظر بندی میں تبدیل کر دی گئی۔ بیچارہ اندھا ہو کر معذور ہو گیا مگر نظر بندی سے رہائی اسے موت ہی نے دی! ان میں سے بعض واقعات مینوئل دوم کی وفات 1425ء کے بعد ہوئے مگر بہت کچھ ان سے پہلے بھی ہوا۔ پوپ تو یقیناً سب کچھ جانتے ہیں۔ یہی عرض ہے ۔

اتـنـی نـہ بـڑھـا پـاکـئ دامـاں کی حکـایـت
دامـن کـی طـرف دیـکـھ' ذرابـنـدِ قبـا دیـکـھ

3۔اسلام میں اچھائی اور بھلائی نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں۔

تیسرا اعتراض کہ اسلام میں کوئی خیر اور بھلائی موجود نہیں' بہت بڑی غلط بیانی ہے۔ یورپ کی احیائے علوم کی تحریک اور ان کے دانشوروں نے قرونِ مظلمہ میں جو روشنی مسلم اسپین سے حاصل کی اس کا اعتراف سب کو ہے۔ بھلائی اور خیر کے اس چشمہ فیض سے کون انکار کرسکتا ہے؟ اسلام میں اتنی بھلائی اور خیر ہے کہ اس موضوع پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔البتہ ایک بات کا میں بڑے دکھ سے اعتراف کرتا ہوں اور وہ ہے **''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''**۔ہمارے بعض علماء، فقہاءاور مفسرین بعض ایسی باتیں اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں جن کی وجہ سے آج اسلام،قرآن اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس پر اعتراضات وارد کئے جارہے ہیں۔ یہ لوگ ہماری اس مصیبت کے ذمہ دار ہیں۔11 ستمبر کی دہشت گردی کے بعد اسلام کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تقریباً ایک کتاب روزانہ کی اوسط بنتی ہے۔ان میں سے کئی کتابیں میری نظر سے گزری ہیں بعض مصنف بڑی تحدّی سے کہتے ہیں کہ ہمارے تمام مآخذ اور منابع حدیث،تاریخ اور تفسیر کی کتابیں ہیں۔معین حوالہ جات دے کر جوابات کا مطالبہ کیا گیا ہے۔غیر دانستہ طور پر ہتک رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرتکب یہ مسلمان مشاہیر اب مرکھپ گئے ہیں۔امت اب ان کے لکھے کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔وہ لوگ جو ملعون سلمان رشدی پر قتل کا فتویٰ عائد کرتے ہیں' یا پوپ سے معافی مانگنے کا بار بار مطالبہ کرتے ہیں وہ قبروں اور مزاروں کے ان مکینوں کا محاسبہ کیوں نہیں کرتے؟ میں حدیث، سیرت، تاریخ اور تفسیر کی کتابوں سے ایسی بیسیوں مثالیں دے سکتا ہوں۔مضمون کی طوالت کے خوف سے صرف مولانا مودودی صاحب کی ایک معرکتہ الآراء کتاب سے چند سطریں نقل کرتا ہوں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی 13 سالہ مکی زندگی میں تبلیغ اور اسلام کی نشر واشاعت کیلئے ان تھک کوششوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''لیکن جب وعظ وتلقین کی ناکامی کے بعد داعئ اسلام نے تلوار ہاتھ میں لی تو دلوں سے رفتہ رفتہ بدی اور شرارت کا زنگ چھوٹنے لگا' طبیعتوں سے فاسد مادے خود بخود نکل گئے۔روحوں کی کثافتیں دور ہوگئیں۔۔۔اسلام کی تلوار نے پردوں کو چاک کردیا اور ان کی حکومتوں کے تختے الٹ دیئے جو حق کی دشمن اور باطل کی پشت پناہ تھیں۔''

(الجھاد فی الاسلام ، طبع دوم صفحہ 138,137)

مینوئل دوم کا حوالہ دے کر پوپ نے اسلام کی اشاعت کے لئے تلوار چلانے کا جو الزام دہرایا ہے کیا وہ مولانا صاحب کی بات سے مختلف ہے؟ یہ تینوں افراد اس الزام تراشی کے لحاظ سے ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ میں 13 سال تبلیغ کی۔مدینہ میں تشریف آوری کے بعد تقریباً 2 سال قیام کے بعد جہاد کی اجازت پر مشتمل آیات نازل ہوئیں،مودودی صاحب ان 15 سالوں کی محنت شاقہ کو'' ناکامی'' قرار دیتے ہیں چاروں خلفائے راشدین، زمرہ عشرہ مبشرہ سے تعلق رکھنے والے باقی صحابہؓ بیعت عقبہ اولٰی وثانیہ میں شامل ہونے والے انصار مدینہ،تقویٰ وطہارت میں رشک مریم صحابیاتؓ۔۔۔الغرض حدیقہء اسلام کے ان تمام شیریں ثمرات کو وہ'' ناکامی'' کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔کاش سید صاحب کو حفظ مراتب کی توفیق ارزانی ہوتی!!!!اسلام مظلوم پر دونوں طرف سے تیر برس رہے ہیں ؎

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

(ھفت روزہ 'اُردو لنک۔ 13تا19اکتوبر2006)

وصیت، خلافت، جنت

ڈاکٹر نسیم رحمت اللہ

اس دنیا میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو استعارۃً ظہور ہستیٔ باری تعالیٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپؐ روح الامین کے عالی مرتبہ پر فائز ہوئے۔ گویا خدا کے ساتھ اپنے وجود کو یوں ملالیا کہ جس کا تصور کرنا بھی ایک عام انسان کے لئے محال ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی

(النجم:10)

پھر وہ نزدیک ہوا پھر وہ نیچے اتر آیا

آپ حقیقی معنوں میں عبد تھے۔ آپؐ کی ذات، صفاتِ باری تعالیٰ کی آئینہ دار تھی۔ اس خدائے واحد کی جس نے قرآن میں آپ کو ''عبداللہ'' کے نام سے موسوم فرمایا۔ (الجن:20) یعنی خدا کا بندہ، وہ بندہ جس میں اپنے خدا کا عشق کمال کو پہنچ کر بنی نوع انسان کے لئے عشق کا بامِ عروج بننے کے ساتھ ساتھ کامل نمونہ بھی بن گیا۔

پھر آخری زمانہ آیا تو خدا کے اس بندہ کے غلامِ صادق کو اس دنیا میں بھیجا گیا۔ عبداللہ کا غلامِ کامل، غلام احمد۔ یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام۔ آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے محبوب کے دین کے احیائے نو کے لئے دنیا میں بھیجا۔ ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

اِنِّیْ اَنْزَلْتُ مَعَکَ الْجَنَّۃ

آپ کے ساتھ دنیا میں جنت کا نزول ہوا ہے۔

(تذکرہ)

یوں تو دنیا میں ایک نبی کی موجودگی بجائے خود دیدۂ بینا کے لئے دنیا کو جنت نظیر بنا دیتی ہے، مگر حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو الہاماً اس بات کی خبر دینا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ ایک ایسے نظام کی بنیاد رکھوائے گا جو آپ کے دور میں موجود لوگوں اور ان کی نسلوں کو خدا تعالیٰ اور جنت سے قریب تر کرنے کا موجب ہوگا۔ اس للّٰہی نظام کی عمارت دو سنگ ہائے بنیاد پر استوار ہوئی، ایک الوصیت اور دوسرا خلافت۔ نظام وصیت مستقل مجاہدہ، قربانی اور تقویٰ کے حصول کی کوشش ہے جو انسان کو خلافت کی نعمت سے ہمکنار کرتی ہے۔ اور پھر خلافت، باہمی اتحاد، خدا تعالیٰ کی توحید اور قرب الٰہی کی منازل سے روشناس کراتی ہے۔ یوں یہ دونوں لازم وملزوم نظام انسان کے لئے جنت کے حصول کا باعث بنتے ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے 1905 میں نظامِ وصیت کی بنیاد رکھی، تا جماعت میں خلافت کا بابرکت نظام تا قیامت جاری رہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی بعثت کا عظیم الشان مقصد یہی تو تھا کہ وہ شریعت محمدیؐ کے احیائے نو کے ذریعہ اُمّتِ محمدیہ کو روحانی ترقی کے ان مدارج تک لے جائیں جہاں وہ کافور (76:6)، تفجیر (76:7)، زنجبیل (76:18) اور سلسبیل (76:19) کا لطف لیتے ہوئے روح القدس کے وارث بنتے ہوئے یعنی

فِیْہِ مِنْ رُوْحِنَا

(66:13)

کے مطابق

اَلسَّابِقُوْن اور اَلْمُقَرَّبُوْن

(56:12)

کی منازل کو حاصل کرنے والے ہوں۔

قرآن مجید نے خلافت کا وعدہ ان لوگوں سے کیا ہے جو ایمان لائے اور جو

اعمال صالحہ بجالاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے طفیل تمام بنی نوع انسان کو خلافت کی نعمت میسر آتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی خود کو اپنی مرضی سے اس نعمت سے محروم رکھ لے۔ پس جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے نظام وصیت جاری فرمایا تو آپ اپنی جماعت کو

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (3:111) کا مصداق دیکھنا چاہتے تھے تا آپ کی جماعت میں سے لوگ اس نظام میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے، قربانی اور فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرَات (2:149) کے اعلیٰ نمونے قائم کریں اور یوں تمام بنی نوع انسان کو نظام خلافت کے قیام کی نعمت سے سرفراز کرنے کا موجب ہوں۔

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

(التوبة:111)

کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس وعدہ کے ساتھ خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

پھر فرمایا کہ:

لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ O

(آل عمران:93)

تم کامل نیکی کو ہرگز نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ اشیا میں سے خدا کے لئے خرچ نہ کرو۔

لفظ بِــرَّ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ یہاں قربانی اور تقویٰ کے اعلیٰ معیار کی طرف نشاندہی فرمائی گئی ہے۔ یعنی محض کسی بھی چیز کی قربانی نہیں بلکہ ان اشیاء کی قربانی جو ہمیں بہت عزیز ہوں۔ نظام وصیت اس پاکیزہ تعلیم پر عمل پیرا ہونے کا راستہ دکھاتی ہے۔

سورۃ التکویر میں

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ

(التکویر:14)

''اور جب جنت کو قریب کر دیا جائے گا''

کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود ؓ نے 26/اگست 1932ء کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک شاندار موقع دیا ہے۔ جنت تک رسائی ممکن ہوگئی ہے۔ نظام وصیت اس کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔

امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے متعدد مواقع پر جماعت کو اپنی عبادات اور مالی قربانیوں کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کی نصیحت فرماتے ہوئے نظام وصیت میں بھی بڑھ چڑھ کر شمولیت اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ حضور نے جماعت کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نظام وصیت کی شکل میں روحانی ترقیات کی ایک جامع راہ دکھائی ہے۔ ہمیں اس راہ کو اختیار کرنا چاہیئے تا کہ وہ وقت آئے خدا تعالیٰ کہے

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ Oۙ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ O

(الفجر:31-32)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت کو فرمایا تھا خوش ہو جاؤ کہ خدا کا قرب حاصل کرنے کا میدان خالی ہے۔ کوئی نہیں جو مقابلہ کرتا ہو۔ دیگر سب قومیں دنیا کے حصول کی دوڑ میں لگی ہوئی ہیں۔ اور وہ بات جس سے خدا راضی ہوتا ہے، اس طرف کسی کی توجہ نہیں۔ پس افراد جماعت احمدیہ کے لئے اس نظام میں شمولیت ایک عظیم الشان بشارت ہے۔

نظام وصیت اور نظامِ خلافت کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کی مضبوطی اور استحکام کا موجب ہیں۔ نظام خلافت وہ پاکیزہ اور عالیشان نظام ہے جس سے وابستگی کے نتیجہ میں بنی نوع انسان کے لئے فلاح کے دروازے کھلتے ہیں۔ خلافت خدا کے رحم کو جذب کرنے کا ذریعہ ہے، بنی نوع انسان کی حفاظت کی ضمانت ہے۔ خلافت ایک اجرِ عظیم ہے (48:30)۔ نظام وصیت اس جنت کی کنجی ہے جسے اس دور میں انسان کے قریب کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کے وارث بنیں۔

حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب

محمد سعید احمد۔ لاہور پاکستان

خاکسار کو حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب سے تعارف کے اعتبار سے احمدیت کے علاوہ کوئی نسبت نہیں۔ یاد نہیں کہ یہ عاجز ان کے حلقہ ملاقات میں کب آیا۔ 1953,54 میں بندہ مجلس خدام الاحمدیہ شہر و ضلع لاہور کا قائد تھا۔ عادتاً بزرگان سلسلہ کی خدمت میں صحبت صالحین کے لئے حاضر ہوتا رہتا تھا۔ شاید اسی زمانہ میں ان سے رابطہ ہوا۔ حضرت ملک صاحب مجھ سے عمر میں 18 برس بڑے تھے۔ وہ بلند پایہ عالم، فقیہہ اور بزرگ درویش تھے۔ میں ان خوبیوں سے عاری مگر پھر بھی معلوم نہیں کہ بندہ کس وجہ سے ان کی شفقتوں کا مورد رہا۔ خاکسار ربوہ جاتا تو گھنٹوں ان کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملتا۔ وہ میرے پاس تشریف لاتے تو دنوں قیام فرماتے۔

شخصیت

دراز قد کھلتا گندمی سفیدی مائل رنگ، دُبلا مگر متناسب جسم، چہرہ پر سنجیدگی اور وقار کے نمایاں آثار، ہمدرد، مشفق، علم کا سمندر، بہترین استاد مگر ہر وقت مزید علم کے متلاشی، کم گو، علم فقہ کے ماہر، باوجود خرابی صحت کے سخت محنت کے عادی، ابتلاؤں اور مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے والے، اختلاف رائے رکھنے والوں سے وسعت قلبی کا مظاہرہ کرنے والے، صائب الرائے، وفا شعار دوست، اقرباء کے حقوق دینی تعلیم کے مطابق ادا کرنے والے، جوہر شناس، متوکل، عابد، مستقل مزاج، درویش طبیعت اور مہمان نوازی، جیسی صفات سے متصف۔ یہ تھے ہمارے حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

حضرت ملک صاحب کی شخصیت آئس برگ جیسی تھی جس کا ایک حصہ سطح آب سے اوپر ہوتا ہے اور نو حصے زیر آب ہوتے ہیں۔ ان سے صحیح تعارف حاصل کرنے کے لئے غوطہ زن ہونا پڑتا تھا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نفس پر ضبط کرنے کی عجیب قدرت بخشی تھی۔ ان کی شخصیت کا ہر پہلو منفرد اور علیحدہ تھا۔ جسے انگریزی زبان میں 'واٹر ٹائٹ کمپارٹمنٹ' کہتے ہیں۔ سیرت نگاری کے لئے ایسا وجود مشکل اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ ایسی شخصیت کے ایک پہلو سے واقف انسان عام طور پر باقی پہلوؤں سے بے خبر رہتا ہے۔

سماجی تعلقات

حضرت ملک سیف الرحمان صاحب زندگی کے تمام شریفانہ شعبوں سے متعلق لوگوں سے تعلقات رکھتے تھے۔ ان کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا مگر اس حلقہ کی ان کے علاوہ کسی کو اطلاع نہ تھی۔ وہ مشترکہ دوستی پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ دینی اور دنیاوی اعتبار سے عام آدمی سے لے کر بڑے بڑے لوگوں تک ان کے ذاتی مراسم تھے۔ انگریزی زبان میں اسے 'Complete cross section of society' کہا جاتا ہے۔ ہر ایک سے ان کے تعلقات کی نوعیت بالکل مختلف ہوتی۔ اسی طرح ان کی نگاہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بہت گہری تھی۔ دوسروں پر تنقید سے اجتناب فرماتے، البتہ تعریف کرنے اور حوصلہ افزائی کرنے میں بخل نہیں کرتے تھے۔

احمدیت سے تعارف

احمدیت سے ان کا پہلا علمی تعارف اس وقت ہوا جب وہ سکول کی دسویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ انتہائی ذہین طالب علم ہونے کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر نے ان کو اپنی ذاتی لائبریری سے استفادہ کی اجازت دے رکھی تھی۔ ایک روز وہ اس لائبریری سے ایک کتاب نکال کر پڑھ رہے تھے کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے دیکھ لیا اور ناراض ہوئے کہ یہ کتاب کیوں پڑھ رہے ہو۔ ملک صاحب نے عرض کیا کہ آپ نے ایسی کوئی پابندی تو نہیں لگائی تھی۔ یہ کتاب ملک صاحب سے واپس لے لی گئی۔ دراصل یہ کتاب جماعت احمدیہ میں شائع ہونے والی غالباً پہلی احمدیہ پاکٹ بک 'محقق' تھی جو حضرت ڈاکٹر شفیع احمد صاحب دہلوی ؓ صحابی حضرت بانی جماعت احمدیہ کی لکھی ہوئی تھی اور اس کتاب کی وجہ سے محترم ڈاکٹر صاحب جماعت احمدیہ لاہور میں محقق کے نام سے مشہور تھے۔

حلقہ احباب

مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب بظاہر خاموش طبیعت، کم گو اور سنجیدہ انسان تھے مگر اپنے ہم ذوق لوگوں سے گھنٹوں گفتگو فرماتے اور کھل کر قہقہے لگاتے۔ وہ زندگی کے صحیح حسین پہلوؤں سے خوب لطف اندوز ہوتے۔ نہایت پاکیزہ مزاج تھا۔ وہ قریباً ہر شعبہ زندگی پر سیر حاصل بحث اور تبادلہ خیال کر سکتے تھے۔

احترام رائے

مکرم ملک صاحب ہر معقول اور مفید ذریعہ سے، حصول علم کرتے اور دوسروں کی صائب رائے کا احترام کرتے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ خاکسار ربوہ میں ان کی قیام گاہ پر ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو وہ جلسہ سالانہ کے لئے تقریر کی تیاری کر رہے تھے۔ فرمانے لگے مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے تمہارا اس موضوع پر کیا خیال ہے؟ میری جہالت ملاحظہ ہو میں نے اپنی حیثیت کا اندازہ لگائے بغیر دو نکات عرض کر دیئے۔ جلسہ سالانہ پر انکی تقریر سنتے ہوئے مجھے حیرت ہوئی کہ انہوں نے ان دونوں کو قبول فرماتے ہوئے احسن طور پر اپنی تقریر میں روشنی ڈالی۔

خویش پروری

خویش پروری میں وہ دینی تعلیمات پر پوری طرح کاربند تھے۔ اپنے گاؤں کے لوگوں کو کوئی دفعہ سفارش کے ساتھ میرے پاس ملازمت کے لئے بھجوایا۔ ایک دفعہ خاکسار ربوہ میں ان کی خدمت میں حاضر تھا تو ایسے ہی لوگ ان کی ملاقات کے لئے آ گئے تو ان سے فرمانے لگے کہ آپ کا کام تو ابھی ہو گیا۔ متعلقہ شخص سامنے بیٹھا ہے یعنی میری طرف اشارہ تھا ان کے چلے جانے کے بعد میں نے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے رشتہ دار تھے۔ فرمایا نہیں میرے گاؤں کے ہیں اور احمدیت کے مخالف ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر آپ کیوں سفارش کرتے ہیں۔ فرمایا یہ اور بات ہے ان کا مجھ پر حق ہے۔

توکل اور تشکر

محترم ملک صاحب کا ایک نمایاں قابل رشک وصف یہ تھا کہ ہر نعمت ملنے اور اپنے مقصد کے حصول پر وہ قلب سلیم سے اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے۔ ذریعہ خواہ کچھ بھی ہو مگر وہ یقین رکھتے تھے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اسی طرح ہر خوبی اور اچھی بات دین اور احمدیت کی طرف منسوب کرتے یعنی ان کی برکت خیال کرتے۔ مجھے تو ایک دفعہ بھی ان کے منہ سے اپنے نفس کی خوبی یا کسی طرح کی بڑائی کا ذکر سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ روحانی لحاظ سے یہ بڑا مقام ہے۔

عبادت

خاکسار کو کئی مرتبہ گھنٹوں ان کی صحبت میں ان کے ربوہ والے مکانوں میں رہنے کا موقعہ ملا۔ میرا تاثر ہے کہ وہ گھر میں رہتے ہوئے بھی اہل خانہ سے الگ اور تنہا رہتے۔ اکثر و بیشتر وہ گھر کے مردانہ حصہ میں ہی رہتے۔ جہاں تنہائی میں عبادات، ذکر الٰہی یا مطالعہ میں مصروف رہتے یا ملاقاتیوں سے ملتے۔ بایں ہمہ وہ اپنی خانگی ذمہ داریوں سے عام لوگوں سے بہت بڑھ کر عہدہ برآ ہوتے۔ ان کے بچوں نے رات سوتے میں بوقت ضرورت والدہ کی بجائے ہمیشہ انہیں موجود پایا۔ میرا تاثر ہے کہ وہ ملک صاحب کی ہلکی نیند نہ تھی بلکہ وہ اس وقت مصلے پر اپنے خالق سے راز و نیاز میں مشغول ہوتے ان کی راتوں کی عبادات ان کے کردار و سیرت میں صاف نظر آتی تھی۔

غناء

غناء کی صفت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اشارةً بھی کسی ذاتی ضرورت کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ میرے خیال میں وہ اپنے مولا کریم سے ہمیشہ ملتجی رہے کہ کسی انسان کا محتاج نہ بنانا اور اپنی جناب سے ہی دینا واقف زندگی ہونے کی وجہ سے قدرتی طور پر مالی فراخی نہ تھی مگر اپنی حاجت کے وقت خدائے غنی کے سایہ تلے رہے۔

تقویٰ

محترم ملک صاحب تقویٰ کا مفہوم خوب سمجھتے تھے۔ مقربین بارگاہِ الٰہی کی زندگی کے ہر پہلو پر تقویٰ کا سورج اپنی شان سے چمکتا ہے۔ اگر حلقہ احباب یا دینی جماعتی اجتماعات میں کوئی واقف زندگی اپنے نجی حالات بیان کرے کہ کس طرح خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی ضروریات پورا فرماتا ہے تو سامعین کے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہوتا ہے۔ مگر محترم ملک صاحب کا اپنا تقویٰ کا مقام تھا۔ وہ ایسے بیان کو غناء، توکل، خدا تعالیٰ سے وفاداری اور وقف زندگی کی رُوح کے خلاف سمجھتے تھے کہ اس طرح سے دوسروں پر ایک واقف زندگی کی ذاتی ضروریات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو پر خوب کھل کر گفتگو فرماتے مگر اپنی ذات اور نفس کو مٹی بنا دیا تھا۔

............ڈاکٹر عبدالسلام ....

"مغرب تیرا شکریہ"

زاہدی حنا، کراچی

دس برس پہلے کی بات ہے، مارچ کے مہینے کی ایک شام تھی جب کراچی میں اس شخص کی 70 ویں سالگرہ خاموشی سے منائی گئی جو اپنی زمین اور اپنے آسمان کے ہجر میں مبتلا تھا۔ دنیا کے اس ذی وقار شہری، مایہ ناز سائنس داں اور 2 درجن سے زیادہ اعلیٰ ترین بین الاقوامی اعزازات سے نوازے جانے والے شخص کی یاد گیری کی محفل میں موجود ہونا میرے لئے اعزاز کی بات تھی دوسروں کی طرح میں نے بھی اسے حرفوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

اور پھر 21 نومبر 1996 کو اس شخص کے ابدی نیند سونے کی خبر آ گئی۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ پاکستان سے باہر گزارا، وہ بار بار یہاں آیا لیکن ہر مرتبہ اسے واپس جانا پڑا، دنیا اس کی راہوں میں آنکھیں بچھاتی تھی لیکن ہم اس سے نگاہیں چراتے تھے۔ ہمیں تو نظری طبیعات میں اس کے مجوزہ اعلیٰ تحقیقی ادارے کی بھی ضرورت نہیں تھی جو آخر کار وہ شخص اٹلی کے شہر ٹرسٹے میں قائم کرنے پر مجبور رہا۔ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن اس کی کوششوں سے قائم ہوا۔ دنیا نے اسے 274 سے زیادہ ایوارڈ، اعزازات اور انعامات دیئے، ان کے ساتھ ملنے والی رقوم کا تخمینہ کروڑوں ڈالر تک پہنچتا ہے۔ اس شخص نے یہ رقم اپنی ذات کے بجائے پاکستان اور تیسری دنیا کے ذہین اور ضرورت مند طلباء کی اعلیٰ تعلیم اور تحقیق پر خرچ کی۔ یہ اس شخص کا قصہ ہے جو شہنشاہِ ایران کو دی جانے والی ضیافت میں اُدھڑے ہوئے جوتے پہن کر چلا گیا تھا اس لئے کہ اس کے خیال میں نئے جوتے خریدنا فضول خرچی تھی۔ جھنگ کی مٹی کے مقدر میں عشق بلاخیز اور ابدی جدائی دونوں لکھ دیئے گئے ہیں، تب ہی جھنگ کی ہیر ہو یا اس کے صدیوں بعد پیدا ہونے والا عبدالسلام دونوں ہی بیمارِ عشق رہے، اپنے وطن سے ہیر جیسا عشق ہمارے یہاں کس نے کیا ہے اور اس سے ایسی جدائی بھلا کس کا مقدر ہوئی ہے۔

لوگوں نے لکھا ہے کہ عالمی شہرت یافتہ لوگوں کے ہجوم میں وہ اپنی دھرتی کو یاد کرتے ہوئے ہچکیوں سے روتے تھے لیکن ان کی آہ بے ثمر تھی، ان کا نالہ نارسا تھا۔ انہوں نے آخری سانس ایک ایسی سرزمین پر لی جوان کی اپنی نہ تھی اور ایک ایسے آسمان کے نیچے آنکھیں موندیں جو غیروں کا تھا۔ نظری طبیعات میں نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام اس جہان سے جاتے جاتے بھی حکومت پاکستان کو ایک عذاب میں گرفتار کر گئے۔ وہ جنہوں نے انہیں پاکستان میں سکون سے رہنے بسنے نہیں دیا تھا، وہ بین الاقوامی برادری کے سامنے شرما حضوری میں ہی سہی ان کا تابوت وصول کرنے پر مجبور ہوئے۔

پھر ان کے لوحِ مزار کو کیوں اور کس کے حکم سے کھرچا گیا۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتی لیکن میرا خیال ہے کہ اس سانحے پر ان کی رُوح نے بھی غالب کی طرح غرقِ دریا ہونے کی آرزو کی ہوگی۔

1979 میں طبیعات کا انعام لینے والے پاکستان اور عالم اسلام کے واحد شہری ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ ہم نے وہی کچھ کیا جو سینکڑوں برس سے اپنے عالموں، دانشوروں اور فلسفیوں پر ہم نے کفر والحاد کے فتوے لگائے تھے، جن پر زیست حرام کردی تھی، آج ہم ان ہی کے ناموں کے آگے رحمۃ اللہ علیہ اور ان میں سے بعض کے نام سے پہلے "امام" لکھتے ہیں۔ ہم بھول چکے ہیں کہ ابن حزم کا مدرسہ اور کتب خانہ ہم نے جلایا، اشبیلیہ میں اس کی تحریریں سربازار نذرِ آتش کی گئیں، کبھی اسے جلاوطن کیا کبھی قید و بند کی صعوبتوں سے گزارا، آج وہ ہمارے لئے ایک محترم نام ہے۔ ہم کسی کو یہ نہیں بتاتے کہ ہم نے ابن تیمیہ کی کتابیں نذرِ آتش کیں، اسے قید کیا اور جب اس پر بھی بس نہ چلا تو قید کے دوران اس سے تصنیف

اور تالیف کی آزادی سلب کر لی، اس کی کتابیں اور مسودے ضبط کر لئے۔ آج ہم اسے ''امام'' لکھتے نہیں تھکتے اور تاریخ کا یہ سچ چھپاتے ہیں کہ کاغذ اور قلم سے محروم ہونے والے ابن تیمیہ نے اپنے قید خانے کی دیواروں پر ناخنوں سے کھرچ کر کیا جملہ لکھا تھا۔ ہم نے تو ابن تیمیہ کے شاگرد ابن القیم کو بھی معاف نہیں کیا، اسے بندی خانے میں رکھا، اونٹ پر بٹھا کر شہر بھر میں یوں پھرایا جیسے وہ کوئی مجرم ہو، اس کی کتابیں جلائیں۔ مسلم دنیا کا آخری نادرِ روزگار اور عظیم ہیبت داں، عالم اور فلسفی ابن رُشد، جو اپنے خیالات و افکار کے سبب ذلیل و رُسوا ہوا، جسے مسجد قرطبہ کی سیڑھیوں پر نمازیوں کے جوتے صاف کرنے کی سزا دی گئی، جسے جلاوطن کیا گیا، جس کی کتابیں قرطبہ کے چوک پر الاؤ میں جھونکی گئیں۔ آج اسی ابن رُشد کے حوالے سے ہم یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا سہرا اَپنے سر باندھتے ہیں اور فخر سے یہ کہتے ہیں کہ راجر بیکن نے 1230 میں ابن رُشد کی کتابوں کے لاطینی ترجمے کو یورپ کی علمی تاریخ کا ایک عظیم واقعہ قرار دیا تھا۔

عالم اسلام میں علم پروری اور عقل دوستی کا زوال ابن الہشیم اور البیرونی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا اور یہ عمل بارہویں صدی کے آخر پر برسوں میں ابن رُشد کی ذلّت آمیز جلاوطنی کے ساتھ مکمل ہوا۔ اس عظیم سانحے کو 8 سو برس گزر چکے لیکن پستیوں میں مسلسل اترتے رہنے، یورپی استعمار کی نو آبادیات بن جانے اور نام نہاد سیاسی آزادی کے بعد مغرب کی اقتصادی غلامی میں آنے کے باوجود سائنس اور ٹیکنالوجی کے باب میں، ایک روشن خیال اور وسیع المشرب سماج کی تعمیر کے سلسلے میں ہمارے رویّے آج بھی دسویں، گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھے۔

ابن رُشد کو ہسپانیہ کے یہودیوں نے سینے سے لگایا اور اس کے خیالات و افکار یورپ کی علمی اور سائنسی ترقی کا نقطہء آغاز بنے اور ہم آج آٹھ سو برس بعد بھی اتنے ہی بدبخت ہیں کہ ہم نے اپنے ایک نابغہء روزگار کے لئے اس کے اپنے ملک میں عرصہ حیات اس پر تنگ کر دیا۔ دیارِ غیر میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے والے ڈاکٹر عبدالسلام سے مغرب و مشرق کی ذہانتیں استفادہ کرتی تھیں۔ لیکن اسی نوبل انعام یافتہ سائنسدان نے جب جب اپنے ملک کا رُخ کیا تو برسرِ اقتدار خواتین و حضرات نیا سے ملاقات کا وقت نہیں دیا، معمولی سرکاری اہل کاروں نے سائنس کی ترقی کے لئے اس کی بیش قیمت تجاویز اور تعاون کے معاملات کو سرد خانے میں ڈال دیا، کراچی یونیورسٹی نے جب اسے اپنے یہاں مدعو کیا تو انتہا پسندوں نے اس کی آمد کو کفر و اسلام کی جنگ میں تبدیل کر دیا۔ آج ہم تباہی و بربادی کی جس دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں اس کا بنیادی سبب ہماری علم دشمنی، جہل دوستی اور اپنے علماء و فضلا کی توہین و تذلیل ہے۔ ہم اپنی ذہانتوں کو دیس نکالا دیتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ ہم تفکّر اور تدبر کے سوتوں پر پہرے بٹھا دیتے ہیں۔ ہم اپنی دانش گاہوں میں ذہانتوں کو پنپنے نہیں دیتے اور انہیں کبھی ملحد، کبھی کافر اور کبھی بے راہ رو قرار دے کر مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ دیارِ غیر کا رُخ کریں اور ان کی ذہانتیں یورپ و امریکہ میں گل و گلزار کھلائیں۔

ہم جس تیزی سے زوال اور ذلت آمیز غلامی کی طرف جا رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سیاسی رہنما اور ہمارے دانشور منافقت میں مبتلا ہیں۔ کسی بھی قوم کی رہنمائی اس کے سیاستدان، مدبر، مفکر اور دانشور کرتے ہیں اور جب یہی طبقہ مصلحت و منافقت کا شکار ہو جائے تو قوم کو وہی حشر ہوتا ہے جو ہمارا ہے۔ آج ہم میں سے کتنے ہیں جو اٹھ کر بآوازِ بلند یہ کہہ سکیں کہ یہ وہ پاکستان نہیں ہے جس کا وعدہ برصغیر کے مسلمانوں سے کیا گیا تھا۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ یہاں کے عوام ہر مرتبہ تنگ نظر رہنماؤں کو مسترد کرتے ہیں اور جمہوریت پسندی اور روشن خیالی کے دعویدار سیاستدانوں کو حقِ حکمرانی سونپتے ہیں لیکن ایسی ہر جماعت اقتدار میں آنے کے بعد منافقت اور سیاسی مصلحت پسندی سے کام لیتے ہوئے سول اور فوجی نوکر شاہی، جاگیردار اشرافیہ اور کٹھ ملاؤں کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے۔

ابن تیمیہ کو قید خانے میں ڈالا گیا اسے کاغذ اور قلم کی نعمتوں سے بھی محروم کر دیا گیا تب اس نے اپنے ناخنوں سے زنداں کی دیوار پر یہ جملہ کھرچا تھا کہ میری اصل سزا یہ ہے کہ مجھے کتاب، کاغذ اور قلم سے محروم کر دیا گیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام اس صدی میں نظری طبیعات کے شعبے کی عظیم ذہانتوں میں سے ایک تھے۔ جس دھرتی سے ان کا خمیر اٹھا اسے ان پر ناز کرنا چاہیئے تھا لیکن یہ ان کی نہیں ہماری سیہ بختی ہے کہ ہم نے انہیں جلاوطنی اور بے توقیری کے عذاب میں ڈالا۔ مغرب سے متعدد معاملات پر اختلاف رکھنے کے باوجود ہمیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ ہمارے جلاوطنوں کو پناہ وہیں ملتی ہے۔

اے مغرب تیرا شکریہ!!

(بحوالہ۔۔۔۔۔۔۔)

میرا عزیز بھائی - ڈاکٹر بشارت احمد جمیل

عبدالہادی ناصر، نیویارک

میرا لائق اور قابل رشک چھوٹا بھائی ڈاکٹر بشارت احمد جمیل اچانک اس دنیائے فانی سے 17 نومبر 2006 کو رحلت کر گیا۔ اِنَّـالِلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَيۡـهِ رَاجِعُوۡن ۔

مرحوم کی اچانک وفات سے عزیز رشتہ دار اور دوست بہت غم ندوہ ہیں۔عزیزم کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپ جاتا ہے۔مرحوم کے 24 سالہ بیٹے سلمان جمیل کی چند سال قبل موٹر سائیکل کے حادثہ میں وفات ہوئی تو مرحوم کے بیوی بچوں اور رشتہ داروں نے بہت صبر اور تحمل سے اس حادثہ کو برداشت کیا۔ یہی خیال تھا کہ اس غم کے بعد زندگی میں رفتہ رفتہ سکون آ جائے گا اور اِس اندھیری رات کے بعد خوشی کا چاند نکلے گا۔۔ابھی خوشی کی جستجو میں تھے کہ پھر یہ جانکاہ حادثہ مرحوم کی وفات کا آن پڑا

دیدۂ شوق نے سمجھا تھا کہ طوفان گئے
زندگی اک سکون پائے گی ہیجان کے بعد
لیکن آرزوئے دید ذرا غور سے دیکھ
کتنے طوفاں نمودار ہیں اک طوفان کے بعد

میرے مرحوم بھائی نے تو ابھی اپنے بچوں کی خوشیاں اکٹھی کرنی تھی جن کی خاطر زندگی بھر محنت کی۔ابھی تو اس تھکن کے بعد ستانا تھا جس سے اُسے راحت محسوس ہوتی۔۔آہ زندگی نے ذرا موقع نہ دیا کہ کچھ دن اور جی لیتا

ہاں اے فلک پیر جوان تھا ابھی ''بشارت''
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

بہر حال خدا تعالیٰ کی جو بھی منشاء ہے اُس پر راضی رہنا پڑتا ہے اور ہمارے پیارے آقا حضرت مسیح موعودؑ کی نصیحت ہمارے لیئے ڈھارس بنتی ہے

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اَے دل تو جاں فدا کر

اے میرے عزیز بھائی! تیری رفاقتیں، تیری قربتیں، تیری اُلفتیں، تیرا بے پناہ خلوص اور تیری آخری دم تک کی وفاداریاں ہمیں ہمیشہ ہمیش یاد رہیں گی۔تیری روح پر لاکھوں لاکھ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔۔تجھے خدا اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے۔۔مجھے یقین ہے کہ تیری نیکیاں اور تیرا خلوص اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا ہوگا اور یقیناً تجھے ان لفظوں میں بشارت دی ہوگی:۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ۖ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً ۚ
فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۙ وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ

مرحوم نے اپنے پیچھے بیوہ محترمہ رضیہ جمیل صاحبہ (بنت چوہدری عبداللطیف صاحب آف ملتان) اور تین بیٹے عرفان جمیل، عثمان جمیل، فرحان جمیل، دو بہوئیں وجیہہ جمیل اور عظمیٰ جمیل، ایک پوتا سلمان احد جمیل ایک پوتی امانی زاریئہ جمیل اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ان کے علاوہ والدہ سردار بیگم، چار بھائی عبدلہادی ناصر، مبارک جمیل جو نیویارک میں مقیم ہیں عبدالسلام جمیل ہیوسٹن ٹیکساس میں اور ناصر احمد جمیل بالٹی مور میری لینڈ میں اور ایک ہمشیرہ ناصرہ دین نیوجرسی میں رہائش پذیر ہیں سوگوار چھوڑے ہیں۔

میرا مرحوم بھائی پونا (انڈیا) میں 1944 میں پیدا ہوا۔تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے بی اے امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔اس کے بعد 1967 میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ فورڈہم یونیورسٹی

نیویارک امریکہ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کہ لیے سکالرشپ دیا۔ 1976 میں سٹی یونیورسٹی نیویارک سے ریاضی میں پی۔ایچ۔ڈی۔کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹریٹ کے لئے شہرہ آفاق ریاضی دان Alan J. Hoffman کی نگرانی میں کام کیا۔

ڈاکٹر بشارت جمیل کی پیشہ وارانہ زندگی تیس سال کے عرصہ تک محیط ہے۔ کوینز کالج، فلشنگ، نیویارک میں ریاضی کی تعلیم دی۔ جارک واشنگٹن یونیورسٹی، واشنگٹن۔ڈی۔سی۔ میں ایسوشی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے پڑھانے کے علاوہ U.S. Department of Defense میں Mathematician کی حیثیت سے کام کیا۔

مرحوم جماعت احمدیہ امریکہ کے ایک مستعد ممبر تھے۔ جماعت احمدیہ اور انسانیت کے لیے ڈاکٹر بشارت جمیل کی خدمات ایک لمبے عرصہ تک یاد رکھی جائیں گی۔ انسانیت کے لیے اور مظلوم کے حق میں ایک دھڑکنے والا دل اور احمدیت کے لیئے غیرت کا جذبہ اپنے مرحوم والد احمد دین صاحب جمیل اور اپنی والدہ سردار بیگم جمیل صاحبہ سے ورثہ میں پایا۔

ڈاکٹر بشارت جمیل کے امریکہ کے نامور اور با اثر سیاستدانوں کے ساتھ ذاتی اور دوستانہ تعلقات تھے اور اس دوستی کے ناطے اُن کے بہت قریب تھے۔ خاص طور پر ممبران کانگریس، دفتر خارجہ اور اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے شعبوں میں خصوصی تعلق تھا۔ وہ ایک بااصول اور باکردار آدمی تھے۔ اُنہوں نے اپنے مثالی کردار سے اپنے حلقہء احباب کو بہت متاثر کیا۔ پوری تندہی، جذبہ اور خلوص کے ساتھ مظلوموں کی حمایت میں بلاخوف وخطر کھڑے ہوجاتے تھے۔ احمدیت کے لئے بے پناہ جذبہ اور غیرت رکھتے۔ احمدیت کے مفاد کو ہر دم مقدم رکھتے اور اس کے لیے حکومت کے اعلیٰ ترین عہدیداروں سے ملنے اور احمدیت کے لیے ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس کام کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے اور جب بھی اور جس جگہ بھی جماعت کو ضرورت پیش آتی اپنی خدمات پیش کردیتے تھے۔

بشارت جمیل نے اپنی زندگی انسانیت کی مدد کے لیے پورے عزم اور خلوص کے ساتھ وقف کر رکھی تھی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اُن کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، وہ پوری تندہی سے مظلوم کی دادرسی کرتے اور مظلوم کو اُس کا حق دلانے کے لیے پوری کوشش کرتے، ناانصافی کسی طور برداشت نہ کرتے اور انصاف کے حصول تک اُس کا مقابلہ کرتے۔

1992 میں اپنے ایک دوست Dr. Danial Aulicino Dr. کیساتھ مل کر انسانی حقوق کی تنظیم Humanity International کی بنیاد رکھی جس کے تحت بلاتمیز رنگ ونسل ومذہب انسانی ہمدردی کے پراجیکٹس پر کام کیا گیا۔ اُن کا نظریہ تھا کہ:

زندگی کی یہی قیمت ہے کہ ارزاں ہو جاؤ
نغمۂ درد لئے ، موجہءِ خوشبو کی طرح

Dr. Aulicino جنہوں نے بشارت جمیل کے ساتھ Humanity International کے پراجیکٹس کے لیے کئی ترقی پذیر ملکوں کا سفر کیا، مرحوم کی وفات پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''بہت حسّاس اور ہمدرد دوست تھے''

پاکستان کے آمر مطلق جنرل ضیاء الحق نے اپنے دور اقتدار میں احمدیوں پر جو ظلم ڈھائے اُن کے خلاف اور احمدیت کے بارہ میں اُس کے مذموم ارادوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی خاطر ڈاکٹر بشارت جمیل نے اپنے تمام ذرائع اور تعلقات بروئے کار لاتے ہوئے جنرل ضیاء الحق کی حکومت پر امریکہ کی کانگریس اور حکومت کا دباؤ برقرار رکھا۔

Peter W. Galbraith جو کہ 1979 سے 1993 تک امریکہ کی Senate کی Foreign Relations Comittee کے Senior Advisor رہے، ضیاء الحق کے تاریک ترین دور کے خلاف اپنی کاوشوں کو یاد کرتے ہوئے عرفان جمیل کے نام تعزیتی خط میں لکھتے ہیں:

''1980 کے عشرہ میں آپ اُن احمدیوں کے مقدمات میرے پاس لے کر آئے جنہیں پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کی آمرانہ حکومت نے موت کی سزا سنائی۔ آپ کی انتھک اور مسلسل کوششوں کی وجہ سے کمیٹی نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا اور اُن کی زندگیاں بچانے میں کامیاب ہوئی''

بشارت جمیل نے پاکستان میں احمدیوں کے انسانی حقوق اور ان کی مذہبی آزادی کی جدوجہد میں ایک مرکزی کردار ادا کیا۔ انہوں نے کانگریس کے ممبران اور اہل کاروں کے ساتھ بہت موثر تعلقات قائم کئے اور اُن کو احمدیوں کے حق میں جنرل ضیاء کی حکومت پر دباؤ ڈالنے پر نہ صرف آمادہ کیا بلکہ اس سلسلہ میں اُن کی پوری مدد کی۔ اُنہوں نے کانگریس کے ممبر Tony P. Hall Honorable کے بہت قریب رہ کر کام کیا اور پاکستان میں احمدیوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف قرارداد مذمت پاس کروانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔

بشارت جمیل نے احمدیوں کے لئے امریکہ میں مذہبی بنیاد پر پناہ کے لیے امریکی حکومت کے دفتر خارجہ کی منفی رائے کی پالیسی کو مثبت رائے میں تبدیل کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس بارے میں بنیادی کام اُنہوں نے انسانی حقوق کی مایہ ناز وکیل Ms. Karen Parker JD کے ساتھ مل کر کیا اور تمام امریکہ میں احمدیوں کے پناہ کے مقدمات کی کامیابی کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ Ms. Karen Parker بشارت جمیل کی وفات پر اپنے تعزیتی خط میں بشارت جمیل کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر کرتی ہیں:

''بشارت جمیل اپنی جماعت کے لوگوں کے انسانی حقوق کی جدوجہد کے لیے وقف تھے۔ مجھے اُمید ہے کہ تمام احمدی، خواہ وہ کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں، آپ کی اس جدوجہد کو اپنے لیے نمونہ بنائیں گے۔''

اسی طرح U.S. Comission on International Religious Freedom کے Policy Analyst اور بشارت جمیل کے قریبی دوست Steve Snow اپنے دوست کی وفات پر اپنے خیالات کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

''میری خوش بختی ہے کہ 1980 کی دہائی کے وسط میں، جب کہ امریکی حکومت کے دفتر خارجہ میں شرق قریب اور جنوبی ایشیا کے انسانی حقوق کے معاملات میرے سپرد تھے، بشارت جمیل میرے لئے جماعت احمدیہ کے بارہ میں معلومات مہیّا کرنے کا نہایت قابل اعتماد ذریعہ رہے۔ آپ پاکستان کی صورت حال اور خصوصاً احمدیوں کے حالات کے متعلق قیمتی، بروقت، اور درست معلومات مجھے فراہم کرنے کا ایک بہت قیمتی ذریعہ تھے۔ انسانی اور مذہبی حقوق کے ساتھ آپ کی والہانہ وابستگی کی مثال آپ کے خاندان اور جماعت کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہے۔''

بشارت جمیل اپنوں اور غیروں کے لیے ایک نفع رساں وجود تھا۔ وہ ایک فرمانبردار بیٹا، مثالی داماد، عظیم شوہر، شفیق باپ، محبت کرنے والا بھائی، خیال رکھنے والا چچا، پیار کرنے والا ماموں، محبوب خالو اور ہر دلعزیز دوست تھا۔

مرحوم کی نماز جنازہ 21 نومبر 2006 کو بعد نماز عشاء مسجد بیت الرحمٰن، سلور سپرنگ میری لینڈ میں مولانا چوہدری منیر احمد صاحب نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں سینکڑوں احباب نے شرکت کی۔ اگلے روز مقبرۃ السلام میری لینڈ میں اُن کے بیٹے سلمان جمیل کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی روحوں پر رحمت کی بارش کرے اور اُن کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

ہمارا سارا خاندان اُن تمام احباب اور مستورات کا مشکور ہے جنہوں نے کثرت سے ہمارے دُکھ میں شریک ہو کر ہمارے غموں کو ہلکا کیا۔ خدا تعالیٰ اُن سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

نیک آدمی کی محبت
اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیلؑ کو پکارتا ہے۔ اللہ فلاں شخص سے محبت رکھتا ہے تو بھی اس سے محبت رکھ۔ یہ سن کر جبرائیلؑ بھی اسی سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرائیلؑ سارے آسمان والے فرشتوں کو پکار دیتے ہیں کہ فلاں شخص سے اللہ محبت رکھتا ہے تم سب بھی اس سے محبت رکھو اب سارے آسمان والے فرشتے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمین میں بھی (بندگانِ خدا کا) مقبول (اور محبوب) ہو جاتا ہے۔

(صحیح بخاری جلد سوم، باب مقعهِ مِنَ اللّٰہ تعالیٰ صفحه419)